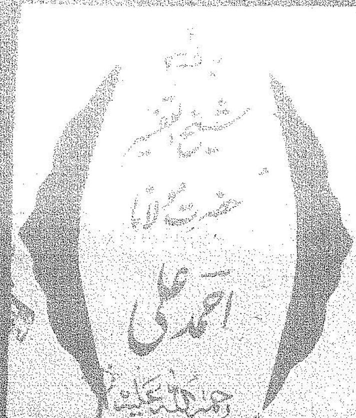
ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور پاکستان



تعجب ہے

تجھے خدا سے محبت نہیں تعجب ہے
تجھے رسول سے الفت نہیں تعجب ہے
کلام پاک سے رغبت نہیں تعجب ہے
تجھے مذاقِ تلاوت نہیں تعجب ہے
تجھے خیالِ قیامت نہیں تعجب ہے
تجھے عذاب سے دہشت نہیں تعجب ہے
تجھے نجات کی حسرت نہیں تعجب ہے
تجھے نماز کی فرصت نہیں تعجب ہے

عجب نہیں کہ لعینوں میں نام ہو تیرا!
عجب نہیں کہ جہنم مقام ہو تیرا!

(العیاذ باللہ)

۲۰ مئی ۷۷ء
۲۳ جمادی الاول ۹۷ھ

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

جنت اور دوزخ کا منظر

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُمْتُ عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ فَكَانَ عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِيْنُ وَاَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوْسُوْنَ غَيْرَ اَنَّ اَصْحَابَ النَّارِ قَدْ اُمِرَ بِهِمْ اِلَى النَّارِ وَقُمْتُ عَلٰى بَابِ النَّارِ فَاِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا النِّسَاءُ۔

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو دیکھا کہ اس میں داخل ہونے والے عام طور پر مسکین تھے جبکہ دولت مند ابھی حساب میں پھنسے ہوئے تھے اور کافر بھی دوزخ میں بھیج دیئے گئے تھے اور میں نے دوزخ کے کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ اس کے اندر داخل ہونے والوں میں عام طور پر عورتیں تھیں۔

اللہ کے برگزیدہ لوگ جن کو اللہ نے ظاہری اور باطنی روشنی عطا فرمائی ہے وہ دنیا کی چیزوں کو ان کی اصلی شکل میں دیکھ لیتے ہیں۔ دنیا کی چیزوں میں سب سے اہم انسان کے اعمال ہیں۔ برے کام اپنی اصلی شکل میں دوزخ ہیں اور اچھے کام جنت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برگزیدہ لوگوں کے سردار ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے انسانی اعمال کے پردے کے پیچھے کی شکل اپنی اصلی صورت میں دکھلا دیں۔ جب آپ تخلیہ میں ان شکلوں پر غور کرتے تو صاف معلوم ہوتا کہ پردے کے پیچھے ایک لہلہاتا ہوا خوشنما باغ ہے۔ دنیا میں اس باغ کے پھلوں، پھولوں، نہروں اور محلوں کی شکلیں ایمان، صبر، محنت، عدل، احسان اور عبادتوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں۔ دوسری طرف آپ ایک دہکتی ہوئی آگ کا انبار دیکھتے جس کے شرارے اور گرم شعلے دنیا میں اللہ کے انکار، نکمی خواہشوں کے انبار، ظلم وستم اور کھیل کود کی شکلوں میں نمایاں ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں جنت و دوزخ کی تصویر کھینچی ہے۔ فرماتے ہیں کہ بیکار دولت کا انبار اصل میں ایک لق و دق میدان ہے جہاں دولت مند گھرے کھڑے ہوں گے اور اپنی دولت کا حساب دیکھ رہے ہوں گے۔ اور افلاس ایک چھوٹی سی گلی ہے جو سیدھی جنت کو نکل جاتی ہے۔ مفلس لوگ اس میدان سے بچتے ہوئے اس گلی میں سے نکل کر فوراً جنت میں پہنچ جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ سے غفلت اور آگ کے انبار کے درمیان ایک قریب کا راستہ ہے جس میں سے ہو کر اللہ کے منکر دوزخ میں فوراً پہنچ جاتے ہیں۔ آخر میں عورتوں کو اسی طرف توجہ دلاتی ہے کہ ان کے اعمال اکثر دوزخ کے شعلوں اور شرارتوں کی ایک خوش نما دنیوی شکل ہے جو انہیں اپنی طرف مائل کر رہی ہے انہیں برے اعمال سے بچنا چاہیے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں وہ ان معلومات کا نتیجہ ہے جو آپ کو اللہ عز وجل کی عطا کی ہوئی بے نظیر روشنی کے ذریعے حاصل ہوئیں۔ مبارک ہیں وہ بندے جو دنیا میں ایسے کام کرتے ہیں جن کا نتیجہ جنت کی نعمتیں ہیں۔ اور بدنصیب ہیں وہ اشخاص جو یہاں ایسے عمل کرتے ہیں۔ جن کی آخری شکل جہنم ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بانی
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمہ اللہ
***
رئیس الادارہ
شیخ طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور

ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور

خصوصی تعاون
مولانا [illegible]
***
مدیر
محمد سعید الرحمن علوی

جلد ۲۲ ● شمارہ ۵۱ | ۲۳ر جمادی الاول ۱۳۹۷ھ ● ۲۰ مئی ۱۹۷۷ء | فی پرچہ: ایک روپیہ

حقیقت پسندی سے کام لینا چاہیئے

۷ر مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات کے نتائج کو مسترد کرنے کی منظم سازش کے رد عمل کے طور پر جو تحریک ابھری وہ آج شعلہ جوالہ بن چکی ہے۔ نادان ہیں وہ لوگ جن کا خیال ہے کہ قوت جہاں آئی قوت کے بل بوتے پر اس کو دبالیں گے قوت کا ہر نوع استعمال ہوچکا اور جی بھر کے لیکن دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ یہاں پر "سزا" کے بعد "ذوق جرم" بڑھتا رہا ـــــ اب صورت حال یہ ہے کہ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پی۔ این۔ اے کا ہر اہم آدمی گرفتار ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ مرکزی لیڈر شپ بہت دنوں سے جیل میں ہے۔ اب کچھ دنوں سے سب مرکزی رہنماؤں کو سہالہ ریسٹ ہاؤس میں منتقل کر دیا گیا ہے جو در حقیقت سنٹرل جیل ہے۔ وہاں مسٹر بھٹو حضرت مولانا مفتی محمود سے "ملاقاتیں" کر چکے ہیں۔ انہوں نے سردار عبدالقیوم صاحب صدر جموں و کشمیر مسلم کانفرنس سے بھی ملاقات کی۔ اندازہ یہی ہے کہ ان ملاقاتوں میں انہوں نے پی۔ این۔ اے کو پیش رفت کے لیے کہا۔ پیش رفت کا کہنے کے ساتھ ہی ساتھ پارلیمنٹ میں تقریر کر ڈالی۔ تقریر حسب عادت طویل تھی اور بے مقصد بے معنی! اگرچہ ذرائع ابلاغ پر مسلط کور چشم لوگ اسے یوں دہراتے رہے گویا آسمان سے نئی وحی نازل ہوئی ہے۔ اس تقریر میں بھٹو صاحب نے انتخابات میں دھاندلیوں کے جواز کے لیے ملک کے پہلے انتخابات اور دوسرے ممالک کے انتخابات کا حوالہ دیا اور ثابت کرنا چاہا کہ جو میں نے کیا ہے وہ ہمیشہ ہوتا ہے حتیٰ کہ پاکستان بھی اس "دھاندلی" کی پیداوار ہے کہ وہ الیکشن بھی ایسا ہی تھا۔ اس تقریر میں بعض دوسرے ممالک پر بری طرح برسنے کی مشق کی گئی جن میں دوست عرب ملک مصر بھی شامل ہے۔ جس کے سربراہ انور السادات پر عجیب و غریب فقرے چست کئے گئے اور بعد میں اس "مشق ناز" کو بی بی سی کی "شرارت" قرار دیا گیا۔

ستم یہ ہے کہ اس تقریر میں "کالا دھن" کی اندھا دھند تقسیم کے حوالے سے پی۔ این۔ اے کی اس شاندار اور ہمہ گیر تحریک کے ڈانڈے امریکہ سے ملائے گئے۔ گویا نہ صرف لیڈر شپ بلکہ پوری قوم ہی "بکاؤ مال" ثابت ہوئی کہ وہ ڈالروں کے چکر میں ہنگامے کر رہی ہے۔ اس سے بڑھ کر اپنی قوم کی توہین اور اپنے ملک کی عظمت کو داغدار کرنے کی اور کیا صورت ہو سکتی ہے؟ لیکن یہ کرنے والے کا قصور بھی نہیں وہ اگر ملک کے معاملہ میں مخلص ہوتا تو [illegible] کا حادثہ رونما نہ ہوتا اور اگر اسے قوم عزیز ہوتی تو وہ ملک کی سڑکوں کو انسانیت کے خون سے لالہ زار نہ بناتا۔

مزید ستم یہ کہ آزادی و جمہوریت کا یہ چیمپئن سارے الزامات اس حال میں لگاتا ہے کہ جوابی کارروائی کی کوئی صورت موجود نہیں۔ ریڈیو، ٹی وی اس کی "نگاہ ناز" کا شکار ہیں۔ اخبارات کی اکثریت اس کی "اداؤں" پر جی جان سے قربان ہو رہی ہے اور جو چند اخبارات کسی حد تک دوسروں کی بات لکھتے ہیں، ان کے سر پہ [illegible] الفوع

ذہنیت سے متعلق ہیں اس کے علاوہ نہ جلسہ نہ جلوس نہ پوسٹر نہ پمفلٹ کیونکہ آزادی جمہور کا زمانہ تھا ورنہ جوابی کارروائی کی گنجائش ہوتی تو یہ ثابت کرنا مشکل نہ تھا کہ ملک و قوم سے کسی دلچسپی کسے ہے اور کسے نہیں؟

ہماری ایماندارانہ رائے ہے کہ اس انداز سے ہاتھ پاؤں باندھ کر کسی کو بات چیت کی دعوت دینا یا پیش رفت کا کہنا سنگین نوعیت کی بدمذاقی ہے۔ سنگدلانہ حرکت ہے جس کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں اور اگر دوسرا فریق جس کی پشت پر پوری قوم ہے یہ اعلان کر دے کہ ہم تمہیں منہ نہیں لگاتے تو بالکل جائز ہوگا۔ لیکن اسیرانِ محبت نے یہ "زخم" سہہ کر بھی پیش رفت کی اور اس لیے کی کہ ملک و ملت کے استحکام و سالمیت کا یہ تقاضہ ہے۔

اور یہ پیش رفت اس لیے بھی ہوئی کہ دوست عرب ممالک کے نمائندوں نے آ کر انہیں اس بات کی طرف توجہ دلائی۔ اور انہوں نے ان سے وعدہ کیا۔

اسی جذبہ حب الوطنی کے پیش نظر انہوں نے سیدھے سادے مطالبات اور تجاویز باقاعدہ مرتب صورت میں بھٹو صاحب کو پیش کر دیے ہیں۔

ان مطالبات میں اگر سیاسی قیدیوں کی رہائی، پریس کی آزادی، ایمرجنسی اور جزوی مارشل لاء کو ختم کرنے جیسی چیزیں شامل ہیں تو انہیں تسلیم کر لینا ہی دانشمندی ہے کہ یہ ہماری ضرورت ہے۔

اس دستاویز میں نئے الیکشن کے لیے نئے انتظامات کی ضرورت پر زور اس لیے دیا گیا ہے تاکہ دوبارہ کوئی حادثہ رونما نہ ہو سکے۔

الغرض پس دیوار زنداں موجود بیدار مغز قائدین نے کمال دانشمندی سے ایک ایسا فارمولا وضع کر دیا ہے جس کو مان کر بھٹو صاحب نہ صرف ملک و قوم بلکہ اپنے آپ پر بھی احسان کریں گے لیکن نظر یوں آ رہا ہے کہ ان کے عزائم و ارادے ایسے ہیں کہ "میں نہیں مانتا" کی آواز لگے گی، خدا کرے ہمارا یہ خیال غلط ثابت ہو لیکن ان کا ابتدائی تبصرہ جس میں انہوں نے ان مطالبات کو مسٹر جناح کے ۱۴ نکاتی پروگرام سے بھی زیادہ طویل قرار دیا ہے نے اس قسم کے خدشات ابھارے ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا۔

لیکن اگر خدانخواستہ ایسا ہوا اور انہوں نے کسی بھی وجہ سے ان سیدھے سادے مطالبات کو تسلیم کرنے سے گریز کیا تو تاریخ انہیں جس انداز سے یاد کرے گی اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ ان کی پوری زندگی کا ایک ایک لمحہ مورخ کے سامنے ہے۔ اور گستاخی معاف وہ ہر لمحہ کو مشکوک نظروں سے دیکھتا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ قوم کی مان کر اس شک و شبہ کی فضا کو وہ ختم کر سکتے ہیں۔ بھٹو صاحب کو اپنی زیرکی، دانائی، واقعات عالم پر گہری نظر جیسی چیزوں پر بڑا ناز ہے پوری دنیا نہیں تو "تیسری دنیا" کا عظیم مدبر تو وہ اپنے آپ کو ضرور سمجھتے ہیں اور کاسہ لیسانِ ازلی بھی انہیں یہی باور کراتے ہیں لیکن خدا لگتی کہنے کی اجازت ہو تو ہم عرض کریں گے کہ ہر قسم کے مادی اسباب سے مسلح ہو کر قوم کے مدمقابل آنا کوئی دانائی اور عقلمندی نہیں اور پھر جب کہ قوم حقوق کی خاطر سینہ سپر ہو اور اس کے حقوق بھی عدل و انصاف کی کسوٹی پر صحیح اترتے ہوں۔ تو اس کا مقابلہ وہی لوگ کرتے ہیں جو ....

تاریخ کے مختلف ادوار یہی بتلاتے ہیں کہ جائز حقوق کے سینہ سپر قوم کے مدمقابل بالآخر حرف غلط کی طرح مٹ گئے اگرچہ تھوڑی دیر کے لیے ان کی رسی دراز کر دی گئی تاکہ وہ ....

ہماری نہ صرف یہ کہ خواہش ہے بلکہ دعا بھی ہے کہ دلوں کا پھیرنے والا نشۂ اقتدار میں چُور لوگوں کے دل پھیر دے تاکہ وہ حقیقت پسندی سے کام لے کر اپنے آپ کو اور پوری قوم کو مزید ابتلاء میں مبتلا کرنے سے گریز کریں اور قوم کا کہا مان کر اس بات کا ثبوت فراہم کر دیں کہ انہیں ملک و قوم سب سے پیارے ہیں۔

بصورتِ دیگر

سنّتِ الٰہی اٹل ہے

اور وہ کیا

سب کو معلوم!

جمعیۃ علماء اسلام کے امیر حافظ الحدیث والقرآن حضرت درخواستی مد ظلہ اچانک لاہور تشریف لائے اور ۳۰ راپریل ۷۷ء کا جمعہ شیرانوالہ کے مرکز میں پڑھایا۔ تقریر کی رپورٹ حسب ذیل ہے:

خطبہ جمعہ

قدرت کے فیصلے اٹل ہیں!

ضبط و ترتیب: علوی

بعد از خطبہ مسنونہ:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ ۔۔۔۔ وَاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ ۔۔۔۔ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ ۔۔۔۔ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ ۔۔۔۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

اس آیت کریمہ میں نصر من اللہ و فتح قریب کا جملہ آپ نے عوام کو بآواز بلند کئی بار پڑھایا۔ جس سے مسجد کے در و دیوار گونج اٹھے۔

اس کے بعد حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ کئی بار پڑھایا۔ ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ اس کے بعد جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا بآواز بلند پڑھایا۔ معلوم ہوتا تھا کہ باطل اور باطل پرست دم توڑ رہے ہیں اور حق والے بصد عز و ناز چھائے جا رہے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ کَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ مَشٰی مَعَ ظَالِمٍ لِیُقَوِّیَہٗ وَھُوَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ، وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ عِرْضِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دِیْنِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ۔

اس موقعہ پر حضرت نے خود نعرہ تکبیر بلند کروایا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اہل حق کی صدائیں تیر کی طرح ارباب باطل کے سینہ میں پیوست ہو رہی ہیں۔

ہر طرف سے آواز آرہی ہے کہ اب پاکستان میں نصرت الٰہی آنے والی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(نعرے اور بے پناہ)

قدرت کے کرشمے ہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ کہ میں نے اپنے رب کو یوں پہچانا کہ میرے ارادے بن بن کر ٹوٹے۔ آدمی کچھ خیال کرتا ہے لیکن ہوتا وہی ہے جو خدا کو منظور ہوتا ہے۔ لاہور کے ساتھیوں سے ملنے کا ابھی پروگرام نہیں تھا۔ اور پروگرام بہت تھے لیکن قدرت ابھی یہاں لے آئی۔ (الحمد للہ)

موجودہ تحریک

تاریخ میں موجودہ تحریک کی مثال نہیں ملتی۔ ہر طبقہ پوری قوت کے ساتھ میدان میں آ گیا ہے۔ وکلاء، خواتین، مزدور، کسان، طلبہ، علماء حتیٰ کہ اقلیتیں بھی۔

کوئٹہ کا سفر

ابھی بلوچستان کا سفر کیا، کوئٹہ میں چشم فلک نے یہ نظارہ نہ دیکھا سات لاکھ کا اجتماع تھا۔ جامع مسجد میں تقریر ہوئی وہاں سے ساتھیوں نے جلوس کی قیادت کا کہا اور پھر زبردستی کھلی کار میں بٹھا دیا۔ دو گھنٹے سارے شہر میں جلوس پھرا۔ جامع مسجد سے چلا۔ پھر میں نے کہا۔ بلوچستان کے ساتھیو! میں تمہارا مہمان ہوں، تم میرے میزبان ہو۔ اور شان والے نبی نے فرمایا ہے:۔

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ۔

جو ایماندار ہو اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ مہمان کی عزت و تکریم کرے۔

میں نے اپنے میزبانوں سے پوچھا۔ تم میرا احترام کروگے؟ خوش کروگے؟ سب نے ہاتھ اٹھا کر وعدہ کیا۔

میں نے کہا۔ مہمانوں کی خوشی کے انداز مختلف ہوتے ہیں۔ میری خوشی اس میں ہے کہ جب تک میں بلوچستان میں ہیں رہوں میرے ساتھ رہو اور جہاں جاؤں میرے ساتھ جاؤ۔ خدا کی شان، وہ ہزاروں کی تعداد میں ساتھ ہوگئے۔ ہم قلات گئے، نواب قلات کے علاقہ میں جو آج بلوچستان کا گورنر ہے۔ جمعہ کی نماز شاہی مسجد قلات میں پڑھی۔ کئی میل ادھر ہزاروں افراد ہمیں لینے کو آئے۔ پانچ پانچ سال کے بچے نوستاروں والے سبز جھنڈے لیے نعرے لگا رہے تھے۔ شاہی مسجد میں تقریر ہوئی، جمعہ سے قبل، لیکن وہ تقریر نہ تھی۔ وہاں آگ لگ گئی۔ قدرتی طور پر وہاں نواب قلات کے عزیز نواسے وغیرہ موجود تھے۔ میں نے کہا۔ نواب قلات ہمارا دوست تھا، تو خاندانی آدمی ہے۔ اے کاش! تو شمس الدین شہید بن جاتا تو میں خوش ہوتا۔ اسے ہوش نہ رہا، وہ تڑپتا رہا اور شمس الدین بننے کا وعدہ کیا۔ میں نے اس کے گلے میں ہار ڈال دیا۔ اس نے وہاں جماعت بنائی۔

قلات سے پشین

وہاں بھی اکرام ضیف کے طور پر میں نے انہیں قلات سے پشین چلنے کو کہا۔ چنانچہ وہ چل پڑے۔ جیپیں، بسیں، ٹرک، اوپر جھنڈے اور لاؤڈ سپیکر نصب تھے۔ اس طرح ہمارا قافلہ پشین گیا۔ کئی میل باہر آکر انہوں نے استقبال کیا۔ منظر دیدنی تھا۔ پورے علاقہ کا سفر کرتے ہوئے واپس کوئٹہ آئے۔ یہاں جلوس ہی جلوس۔ میں نے کہا۔ ظالم کی حمایت کروگے؟ کہا مرجائیں گے لیکن ایسا نہ ہوگا۔ واپسی پہ سکھر، جیکب آباد وغیرہ گیا۔ منڈی حاصل پور گیا۔ جہاں جمعیۃ طلباء اسلام کے پنجاب کے صدر ندیم اقبال پہ اور ہمارے بوڑھے ساتھی ڈاکٹر محمد شریف پر بے پناہ تشدد کیا گیا۔ شجاع آباد، بہاولنگر، بہاولپور گیا۔ پھر احمد پور شرقیہ گیا۔ وہاں کی دردناک داستان تم نے سنی ہوگی کہ کس طرح مسجد میں لوگوں کو نشانہ تشدد بنایا گیا؟ تاریخ میں کہیں یہ نہ ملے گا کہ فرنگی یا کسی دوسرے نے مسجد میں "تشدد" کیا گیا ہو لیکن اب . . . ؏

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے!

شہیدوں کے گھر گیا، زخمیوں سے ملا۔ لوگوں کے حوصلے بلند تھے۔ بہرحال میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اس تحریک میں مرنے والے شہید ہیں، حصہ لینے والے غازی ہیں، خدا سب سے راضی ہو۔

مجھے ایسے فتووں کا علم ہے جس میں بڑے بڑے "پیر اور مولوی" شامل ہیں۔ جن میں شہداء اور غازیوں کو رگیدا گیا ہے لیکن یہ خدا سے نہیں ڈرتے؟ تفصیلات بتاؤں گا ذرا صبر کریں۔

ہمارا موقف

ہمارا معاملہ واضح ہے ہمارے بزرگوں نے اور ہم نے قرآن کی سیاست نہ چھوڑی ہے نہ چھوڑیں گے۔ ذرائع ابلاغ اور سب کچھ پر قبضہ کر کے آزادی کی بات کرنا کتنا جھوٹ ہے لیکن ہمارا اعتماد اللہ پر ہے اور اللہ علیٰ کل شیٔ قدیر ہے۔

برادرانِ یوسفؑ

کہتے ہیں پی پی پی والے بھائی ہیں۔ میں نے کہا یوسف علیہ السلام کے بھی بھائی تھے۔ حسد کے پیش نظر بھائی کو کوئیں میں ڈالا اور جھوٹے آنسو بہا کر باپ کو قائل کرنا چاہا۔ لیکن خدا نے سارے پول کھول دیے۔ جھوٹوں کے پول یونہی کھلتے ہیں۔ ہماری ذاتی لڑائی نہیں، معاملہ نظامِ شریعت کا ہے۔

بات چیت اور ملنا جلنا کس سے کریں؟ کسی پر اعتماد ہو تو ملیں۔ یہاں تو اپنی زبان کا ہی احساس نہیں اور مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جا سکتا۔

شراب اور جوا پر پابندی

اب کہتے ہیں کہ شراب اور جوا پر پابندی لگ چکی ہے شریعت کا مطالبہ پورا ہوتا ہے، مان کیوں نہیں لیتے۔ میں کہتا ہوں کہ جو کام فرنگی نے نہیں کیا وہ اب ہو گیا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے غلاموں پر گولی چلائی، خون بہایا۔ مسجدوں کا تقدس پامال ہوا۔ اور اتنے سال شریعت یاد نہ تھی اب کیسے اعتبار کریں۔

دھاندلی

کہتے ہیں دھاندلی نہیں ہوئی۔ میں کہتا ہوں مسجد میں آؤ سر پر قرآن رکھو ثابت ہو جائے گا۔ چند حلقوں کی دھاندلی کا ثبوت کمیشن میں آ چکا ہے۔ دس کے نیچے سات کو تھما دیے۔ بچہ بچہ دھاندلی تسلیم کرتا ہے۔ تم کیسے انکار کرتے ہو؟ پچھلے دور کے ضمنی انتخاب گواہ ہیں۔ کشمیر کا انتخاب گواہ ہے اور اب تو حد ہو گئی۔

فتوے

میں آپ کو خطرہ سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں فیضی و ابوالفضل قماش کے لوگ مختلف قسم کے فتوے سامنے لا رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ستر میں فتوے دئیے۔ لیکن بعد میں انہی کی بغل میں چلے گئے۔ آج ان کی حمایت میں شہید ہونے والوں، زخمی ہونے والوں اور گرفتاری دینے والوں کے خلاف فتوے تیار کر رہے ہیں لیکن یہ حربہ بھی ناکام ہوگا۔ (انشاء اللہ)

نو ستارے

ستاروں کا کام رہنمائی ہے، خدا نے فرمایا۔ مزید فرمایا کہ ستارے شیطانوں کے رجم کے لیے ہیں۔ خدا نے رحم فرمایا کہ نو جماعتوں کو نو ستاروں کا رنگ دے دیا۔ کہ ملت کی رہنمائی کریں اور شیطانوں کو رجم کر کے اس ملک کو اسلام کا گہوارہ بنائیں۔

میں پہلے عرض کر چکا ہوں یہ کہتے ہیں کہ عورتوں نے ووٹ نہیں دئیے لیکن ہمارے ملک کی لاکھوں عزت مآب بچیوں نے سر پہ دوپٹے اور برقعے ڈال کر سڑکوں پر آ کر ثابت کر دیا کہ انہوں نے کس کو ووٹ دئیے؟

اسی طرح ہر طبقے کے متعلق جھوٹ بولے جا رہے ہیں لیکن جھوٹ نہیں چلے گا۔

دعائے یوسفؑ

مکاروں نے مکر کیا تو یوسف علیہ السلام نے جیل کے لیے دعا مانگی۔ خدا نے مکر کا پردہ چاک کر دیا۔ یوسف علیہ السلام جیل چلے گئے لیکن وہی دورِ ابتلاء کامیابی کا زینہ ثابت ہو گیا۔ محمد علیہ السلام کے غلام پابند کر دیے گئے۔ قوم امتحان کی منزل میں ہے۔ لیکن کامیابی اسی میں مضمر ہے۔ انشاء اللہ۔ خدا کا شکر ادا کرو۔ حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے جیل میں فرمایا۔

"الحمد للہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے"

کہ اللہ کا شکر ہے کہ امتحان کا شکار ہوں، جرم کر کے جیل نہیں آیا۔ آج بھی اللہ کے وہ بندے جیل میں ہیں جو مثالی لوگ ہیں۔ میرے شیخ کے صاحبزادے میاں سراج احمد بھی جیل گئے۔ اور ہزاروں ہیں اور یہ سب مبارکباد کے مستحق ہیں۔

جیل میں

جیل جانے والے وہاں بھی کام کر رہے ہیں اخلاقی قیدیوں کو قرآن پڑھا رہے ہیں۔ قرآن و حدیث کے درس ہو رہے ہیں۔ ذکر و فکر کی محفلیں برپا ہیں۔ اور یہ اللہ کا کرم ہے۔ یوسف علیہ السلام نے بھی جیل کو مدرسہ اور تربیت گاہ بنا دیا تھا۔ ان کے غلام اور شعب ابی طالب کے قیدی یتیم مکہ علیہ السلام کے غلام جیل کو یادِ الٰہی اور ذکر و فکر سے آباد کئے ہوئے ہیں۔

نتیجہ کا وقت

محمد (علیہ السلام) کے غلامو! پریشان نہ ہونا، منزل قریب ہے، نتیجہ کا وقت آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کا وقت قریب ہے۔ یہ جذبہ، یہ حقوق کا احساس اور یہ استقامت بھی اسی کی مدد سے ہے۔

پر جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کی کامیابی کے بعد ان کے دروازے پہ آتے تھے اسی طرح یہ تمہارے دروازے پہ آئیں گے۔ ڈرو مت کامیابی تمہاری ہے۔ یہ تحریک ہم نے نہیں چلائی اوپر سے چلی ہے اور جب تک کام نہ ہو گا، تحریک چلتی رہے گی۔ میں زبردستی قبضہ کرنے والوں کو کہتا ہوں ہوش کرو تباہی کو دعوت نہ دو۔

اپنوں سے کہتا ہوں :

اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرٌ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری امداد پر قادر ہے۔

جب تمہارے جذبات صحیح ہیں تو کامیابی یقینی ہے۔

شہیدوں کا مقام

یہ ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ خدا سے رزق حاصل کرتے ہیں ان کی موت کے متعلق فتوے تیار کرنے والو! خدا کے قہر سے ڈرو۔ شرم کھاؤ۔ شان والے نبیؐ نے فرمایا :۔

دین، عزت، مال وغیرہ کے لیے قتل ہونے والا شہید ہے — یہ سب شہید ہیں"۔ (عوام نے بلند آواز سے کہا)

طاقت سے تحریک کو بجھانا مشکل ہے۔ یہ تحریک اوپر سے ہے۔ اور طاقت صداقت کو دبا نہیں سکتی۔ مسئلہ چنگاری سے شعلہ جوالہ تک پہنچ چکا ہے۔ یہ تو ایسے ہے جیسے حدیث میں ہے کہ جب اللہ کسی سے محبت کرتا ہے تو آسمان پہ آواز لگائی جاتی ہے جس سے فرشتے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر بات زمین تک آجاتی ہے اور اسی طرح جس سے خدا ناراض ہوتے ہیں۔ اس سے فرشتے اور پھر زمین والے ناراض ہو جاتے ہیں۔ اب یہ چھوٹی چھوٹی بچیاں اور بچے ان کو اس منزل پہ کون لایا؟ اللہ کے سوا کوئی نہیں اس لیے ہوش سے کام لو۔ ورنہ تمہاری داستان بھی ختم ہو جائے گی۔

اور اب جانور

اور اب تو جانور بھی میدان میں آ گئے تفصیل کا وقت نہیں۔ بہاولپور میں جو جانوروں کا جلوس نکلا اس کی تفصیل معلوم ہو چکی ہے، انشاء اللہ چڑیاں، چیونٹیاں سب شاملِ جدوجہد ہوں گی۔

اوقاف والے

اوقاف کا ایک ٹولہ فتووں کی تیاری میں لگا ہوا ہے ان کو بھی کہتا ہوں ہوش سے کام لو کہیں خونِ شہیداں تمہیں بھی لے نہ ڈوبے۔ یہ شہید مظلوماً شہید ہوتے، دین کے لیے شہید ہوئے۔ ناگہانی طور پر شہید ہوئے (بقول حدیث نبویؐ) ان کی شہادت تین وجہ سے ہے جو میں نے عرض کر دیں۔

بہرحال حوصلے اور صبر سے کام لو۔ استقامت کا مظاہرہ کرو۔ انشاء اللہ کامیابی تمہارے قدم چومے گی — جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ اللہ سے دین مانگا ہے تو تمہاری آزمائش ہو رہی ہے۔ تمہاری صلاحیت کا امتحان ہو رہا ہے۔ تمہیں مبارک دیتا ہوں کہ تم اہل ثابت ہوئے۔

تقریر کے آخر میں آپ نے ہزاروں کے مجمع کو کھڑا کر کے عہد لیا کہ وہ جدوجہد جاری رکھیں گے۔ اس موقع پر۔ ع

"شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے"

کے پرجوش نعرے لگے۔

آپ نے وَلَا تَرۡکَنُوۡۤا اِلَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا الآیہ پڑھی اور فرمایا کہ اس کے تحت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث لکھی جو پہلے بھی بتلائی تھی یاد کر لو کونے کونے تک پہنچاؤ۔ وعدے پر حدیث پڑھائی :۔

مَنۡ مَشٰی مَعَ ظَالِمٍ الخ

یعنی جو ظالم کو جانتے بوجھتے کے باوجود اس کی تقویت کے لیے ساتھ چلا وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔

اور آخر میں فرمایا کہ مجھے بیماری، بڑھاپے کے سبب سفر سے روکتے ہیں، کام سے روکتے ہیں لیکن بے قرار دل بیٹھنے نہیں دیتا۔ خدا سے دعا ہے کہ خدمتِ دین میں جیئوں اور اسی میں موت آئے۔

تمنا ہے کہ دنیا میں فقط دو کام کر جاؤں
تمہاری یاد میں جیئوں تمہارے غم میں مر جاؤں

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حمیۃ الجاھلیۃ

پرانی جاہلیت اور نئی تہذیب میں موازنہ

از: حضرت مولانا محمد زکریا صاحب

مرسلہ: مولوی عطا محمد، مڈھ رانجھا (سرگودھا)

حدیث نبوی سے انکار کرنے والا طبقہ، عقل و سائنس کا پجاری آج اسلام کو پرانا اور دقیانوسی بتلا رہا ہے اور یورپ کے طرز و تمدن اور طریق زندگی کو اپنی منزلِ مقصود سمجھ رہا ہے۔ یہ سخت جہالت ہے اور جاہلت اولیٰ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عربوں کے اندر پھیلی ہوئی تھی اس کے مشابہ بلکہ اس سے بڑھ کر ہے۔ اس مقالہ میں موجودہ تہذیب اور پرانی جاہلیت میں موازنہ کیا گیا ہے۔ اس کا مخاطب وہ ذہن ہے جس کا پہلے بیان ہوا۔ دوسرے حضرات مراد نہیں۔

۱۔ تم کہتے ہو کہ اسلام سے پہلے عرب کے جاہل اوہام پرستی میں مبتلا تھے۔ جن چیزوں میں قوت و طاقت نہ تھی۔ ان میں قوت و طاقت مانتے روشن ستاروں اور چمکتے چاند سورج کو پوجتے، بہتے دریاؤں اور موجیں مارتے سمندروں کی پرستش کرتے۔ اگتے گھاس اور برستی شبنم کو معبود مانتے، درختوں کے سامنے جھکتے اور پتھروں کو اپنا معبود سمجھتے اور اس وہم پرستی نے ملک بھر میں اصنام و اوثان کا ایک جال پھیلا رکھا تھا۔ بالکل صحیح ہے کہ عربوں میں ایک بڑی جماعت انہیں اوہام میں مبتلا تھی۔ ان کے دلوں میں خالق کا کوئی وزن ہی نہ تھا۔ ان کو ہر قسم کی طاقتوں کا جلوہ مخلوقات ہی میں نظر آتا تھا۔ پھر اگر عرب محض اسی لیے جاہل تھے تو کیوں جاہل نہیں وہ قومیں کہ جن میں عوام کا اکثر حصہ پڑھے لکھے مذہبی پیشوا کھولنے اور باندھنے کا اختیار رکھنے والے قسیسین اور درویش خالق کائنات کی مخلوقات میں سے کسی کو اس کا رشتہ دار اور کسی کو اس کا بیٹا سمجھ رہے ہیں۔ تم کیوں اس کی جہالت میں شبہ کرتے ہو کہ جس نے نفع و نقصان کا سرچشمہ خدا کی ساری طاقتوں کا مظہر خالق کو نہیں کمزور انسانوں کو سمجھ رکھا ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے لیکن یہ واقعہ ہے کہ جو آفتاب کی بجائے دیوار کو نور کا اصلی سرچشمہ سمجھتا ہے وہ یقیناً جاہل اور وہم پرست ہے۔

۲۔ پرانے جاہلوں نے اگر ھبل اور نائلہ کے سامنے سر جھکایا اور ماتھا ٹیکا تھا تو کیا پچھلے جاہل برق اور اس کی قوتوں، بھاپ اور پٹرول، لوہے اور آگ کے سامنے سر جھکا کر ان کی پرستش کا حق ادا نہیں کر رہے۔ طریقہ احترام کے ظاہری سانچوں اور بیرونی قالبوں کے بدلنے سے روح اور سپرٹ نہیں بدلا کرتی۔ بلاشبہ ھبل والے اللہ کے نام سے چڑتے، خدا کی بڑائی کا اعلان ہوتا تو "ھبل" کا نعرہ لگاتے تو آج کیا خدا کے نام سے ان مادہ پرستوں کی پیشانی پر بل نہیں آتا۔ کیا خدا پرستوں کو دیکھ کر ان کے

ہوں پر تعمیری سفلی کی موجیں نہیں اٹھتیں اور کیا انہیں میں وہ شخص نہیں ہے کہ جس نے خدا اور سائنس کے مقابلہ میں کتاب لکھی ہے۔ اور سائنس کو خدا کا مد مقابل ٹھہرایا ہے۔ ہبل والے اللہ والوں پر طنز کرتے — هٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِنَا۔ کیا ہمارے ما بین انہیں پر خدا نے احسان کیا اور نوازا ہے۔ خالق پرستوں کے متعلق ان مخلوق پرستوں نے یہ فقرہ چست کیا تھا۔ غَرَّ هٰۤؤُلَآءِ دِيۡنُهُمۡ۔ ان کے دین نے ان لوگوں کو دھوکے میں ڈالا ہے۔

پرانے مخلوق پرستوں نے اگر یہ کہا تھا تو کیا نئے مادہ پرست جاہل اللہ والوں کو مذہبی مجانین اور ان کی دینداری کو مذہبی جنون کہہ کر دل کی بھڑاس نہیں نکال رہے۔ اتَّخَذُوۡۤا اٰيٰتِىۡ وَرُسُلِىۡ هُزُوًا کی جہالت میں اگر عرب مبتلا تھے تو اس دور کے جاہلوں نے اس میں کیا کمی کی ہے۔ استہزاء بالرسل اور تمسخر بالکتب کے علاوہ ان کے پاس عقل و دیانت کا کون سا حربہ ہے۔ ان کو بھی ناز تھا۔ اپنی شعر و شاعری پر، روم اور شام کے تجارتی کاروبار پر، اور آج بھی مادہ پرستوں کو ناز ہے۔ اپنے علوم و فنون اور اپنی تجارتی کوٹھیوں اور صنعتی کارخانوں پر، صورت گو بدل گئی ہو مگر حقیقت ایک ہے۔

۳۔ تم کہتے ہو عرب کی عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ بھی مخصوص نہیں تھیں۔ ان میں ذوات الرایات (وہ زانیہ عورتیں جو علی الاعلان زنا کرتی تھیں اور انہوں جھنڈے مکانات پر نصب کر رکھے تھے) تھیں۔ اور ذوات الاخدان (وہ زانیہ عورتیں جو پوشیدہ زنا کرتی تھیں اور انہوں نے خفیہ طور پر دوست اور یار بنائے ہوئے تھے) ان میں کسبیاں تھیں اور کنجریاں، صرف یہی نہیں بلکہ کبھی کبھی ان عورتوں کے حصہ دار ان کے بیٹے بھی ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن کیا کہو گے اس ملک، اس سوسائٹی، اس تمدن کو جہاں عورتوں کے حسن اور خوبصورتی ان کی دل فریبیاں اور ان کے رقص و سرود کی لذت اندوزیاں اور ان کا اندر اور باہر سب کچھ صرف بیٹوں ہی کے لئے نہیں بلکہ ہر نظر باز منچلے ہر راہ چلتے چاہنے والے اور ہر رقاص محفل کے لیے عام ہے بیچاریوں کی شرافت اور عفت مآب ایکٹرس کہلاتی ہیں۔ وہی جن کو تم عرب کے بے حیا اور آبرو باختہ ذوات الاخدان کہتے ہو اور کیا کہو گے اس قومی رسم و رواج اور سوسائٹی کے آئین و دستور کو جہاں ان کے لیے تحسین کے مقابلے لکھے جا رہے ہوں۔ انعام اور تمغے تقسیم کئے جا رہے ہوں اور قوم کی قوم ان کو سراہ رہی ہو۔

۴۔ تم کہتے ہو کہ جاہل لوگ (عرب والے) اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے۔ ننگ و عار کی وجہ سے اپنی اولادوں کو مارتے۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ فقر و فاقہ کی وجہ سے عرب کے جہلاء نہ صرف بیٹیوں کو بلکہ بیٹوں کو بھی فنا کر دیتے۔ اولاد کا مار دینا ان کے یہاں کچھ معیوب نہ تھا۔ پھر آج بھی جہاں انقطاع نسل کی طبی کوششیں کی جا رہی ہیں — اختیاری عقم کے طریقے تراشے جا رہے ہیں (اپریشن) کی مہذب تعبیر سے جس طرح نسل انسانی کا خاتمہ کیا جا رہا ہے۔ پیدا ہوتے بچوں کو نہ صرف لڑکیوں کو بلکہ لڑکوں کو بھی گلا گھونٹ کر زہریلی دوائیں پلا کر جس طرح پیوند زمین کیا جا رہا ہے بلکہ فحش کی گرم بازاری، زنا کی کثرت جن نتائج کو پیدا کرتی ہے۔ اگر تم اس سے واقف ہوتے تو تمہیں عربوں کی جہالت اور بے رحمی پر حیرت نہ ہوتی اور تم کو نہ تعجب ہوتا۔ عربوں کی جہالت پر اگر یورپ کی اولاد کشی تمہارے سامنے ہوتی۔ ایک ماں اور محبت والی ماں اپنی سہ سالہ لڑکی کو گلا گھونٹ کر مارتی ہے، اور خوش ہے کہ میں اس کے اخراجات سے سبکدوش ہوئی اور میرا تعیش اور تلذذ تکدر سے محفوظ ہو گیا کہ یہ غریب لڑکی اس میں حائل تھی۔ ان نہ مٹنے والے واقعات کو انگریزی اخبارات میں پڑھتے ہو اور پھر بھی جہالت کی فہرست میں غریب عربوں کو ہی بدنام کرتے ہو۔

۵۔ تم کہتے ہو کہ جاہل عرب بے شرمی کی باتوں، ناجائز تعلقات، فحش واقعات کا تذکرہ اپنے اشعار میں کرتے۔ اس کو علی الاعلان میلے ٹھیلے میں غایت بے حیائی کے ساتھ پڑھتے۔ کبھی امراء القیس کا نام لیتے ہو اور کبھی اسود عنسی کا۔ لیکن کیا لفظی شاعری تصویری شاعری سے بھی زیادہ عریاں ہے۔ ذوق سلیم کی تربیت کے نام سے جمال پرستی کے مہذب

تھیٹر ے، بلکہ قومی ارتفاع اور ترقی کے راز کو بے نقاب
کرنے کے لیے تھیٹروں، بائیسکوپوں، تماشوں اور نمائشوں
میں جو دیکھا اور دکھایا جا رہا ہے ناول کے صفحات کیریکٹر
اور فطرت کے جن مخفی اسرار اور فواحش کی ننگی تصویریں
کھینچی جا رہی ہیں۔ انسانی اعضاء کی تشریحات جس طرح
علی الاعلان انجام دی جا رہی ہیں۔ نابالغ بچوں اور بچیوں
کو بیدار ہونے سے پہلے جس طرح بیدار کیا جا رہا ہے اور
کمزور خام بچوں سے انسانی نسل کی کاشت کو جس طرح سے فروغ
دیا جا رہا ہے۔ انصاف شرط ہے۔ کیا عرب کی فحش گوئی اور
بے حیائی ان سب کے سامنے شرمندہ نہیں۔ قدیم عرب میں
بے حیا صرف شاعر ہوتا تھا لیکن اسی دورِ جاہلیت میں ایکٹر
(بھانڈ) بے حیا، مصوّر بے حیا، فسانہ نویس بے حیا، رقاص
محفل بے حیا اور خدا جانے کتنے بے حیا پیدا ہو رہے ہیں۔ آخر ان
چیزوں کو دیکھنے والوں، سراہنے والوں، انعام بانٹنے والوں،
اور برہنہ عورتوں کے اعضاء کی پیمائش کر کے خوبصورتی پر انعام
دینے والوں اور ان چیزوں کے برقرار رکھنے والے قانون کو کون
حیادار کہہ سکتا ہے۔

۶۔ تم کہتے ہو عرب کے لوگ بہت جاہل، لڑاکے اور جنگ جو
تھے۔ معمولی معمولی باتوں پر لڑتے اور اونٹ اونٹ بات پر جھگڑے
اٹھاتے۔ جانور کے گھونسلے پر، اونٹ کے دودھ پر، میدان
میں گھوڑے کو بدکانے پر لڑائیاں برپا کرتے۔ صدیوں تک
لڑتے اور خون کی ندیاں بہاتے۔ خاندان کے خاندان ان لڑائیوں
میں کام آ جاتے۔ بیٹوں اور پوتوں تک کو لڑنے کی وصیت
کر جاتے۔ ان کی لڑائیوں نے درندوں کو مات کر دیا تھا۔ ان
کی خون آشامیوں سے شیر اور ریچھ بھی پناہ مانگتے تھے۔ بھیڑیے
اور گینڈے بھی اپنی درندگی میں ان سے بہت پیچھے تھے۔ کبھی
حرب بسوس کا نام لیتے ہو اور کبھی حرب فجار کا، اور کبھی
تعجب کرتے ہو جنگ بعاث پر اور کبھی حیرت کرتے ہو یوم
ذی قار پر۔ لیکن کیا کہو گے اس ملک کو، اس تمدن کو اور
اس جماعت کو اور اس مہذب جماعت کو جو ایسی ہی معمولی
باتوں پر آئے دن لڑا کرتی ہے۔ برطانیہ عظمیٰ کا شیر اور گھوڑا،
جرمنی کا عقاب، روس کا ریچھ اور امریکہ کا تاروں والا نشان
ایسی چیزیں ہیں جن کی ادنیٰ درجہ کی اہانت یہ مہذب قومیں
برداشت نہیں کر سکتیں۔ کتنی خوفناک جنگیں محض اس بات

پر برپا ہوئیں [illegible] قوم نے دوسری قوم کے شاہی نشان
کی بے حرمتی [illegible] بڑے بڑے [illegible]
کے مہذب [illegible] بے حرمتی کی یہ نہیں برداشت کر سکتے ہیں۔ اگر
درندے [illegible] عرب [illegible] کیوں درندگی میں شبہ کرتے ہو۔
ان قوموں کی جو کہ [illegible] سے کسی مخصوص حصہ [illegible] کا جواز
دیکھ کر [illegible] ہوتے ہیں، اپنی جان دے بیٹھتے ہیں اور دوسرے
کی جان لیتے ہیں۔ رسالے کے رسالے بڑی بڑی فوجیں میدان
میں کام آ جاتی ہیں۔ خون کے بادل برستے ہیں اور خون کی نہریں
چلتی ہیں، شہر اجڑتے ہیں، ملک تباہ و برباد ہوتے ہیں۔ محض
اتنی بات پر کہ ایک نے دوسری قوم کے شہزادے کی خاطر خواہ
مدارت نہ کی تھی۔ عرب کی لڑائیوں کو یاد رکھتے ہو۔ جنگ
طرابلس، جنگ بلقان، جنگ پدسی، جنگ یونان، جنگ
روس اور جنگ عظیم کو بھول رہے [illegible] ان مشہور لڑائیوں میں
کتنی پلٹنیں کام آئیں، کتنے رسالے ختم ہوئے، کتنی فوجیں
مر مٹیں، کتنا روپیہ خرچ ہوا، کتنے شہر اجڑے اور کتنے
ملک تباہ ہوئے۔ کیا عرب کی درندگی ان سب کے سامنے
شرمندہ نہیں۔

۷۔ تم کہتے ہو عرب کے لوگ بہت بے حیا ہوتے تھے۔
عورتوں کے عشق میں تشبیبی اشعار علی الاعلان پڑھتے۔
مرد اور عورت پہاڑوں پر ملتے اور ان بے حیائی کے
واقعات کو مجمع کے سامنے بیان کرتے۔ کبھی بنی عذرہ کا نام
لیتے ہو اور کبھی بنی زبیدہ کا۔ لیکن جس قوم کے مہذب لوگ
پرائی بہو، بیٹیوں پر پھولوں کے ہار صرف زبانی ہی نہیں صرف
تنہائی اور پہاڑوں میں ہی نہیں، بلکہ ہاتھوں سے پارکوں اور
تفریح گاہوں میں، عام مجمعوں اور بازاروں میں پھینک رہے
ہوں۔ ان کی بے حیائی میں کیوں شبہ کرتے ہو۔ جس قوم کی
عورتیں ڈیلی نیوز وغیرہ اخبارات میں دوستوں کی تعداد میں
اضافہ کرنے کے لیے اشتہارات شائع کریں ان کو بے حیا
کہتے ہوئے کیوں تمہاری زبان لڑکھڑاتی ہے۔

۸۔ تم کہتے ہو عرب کے جاہل بڑے شرابی اور نشہ خوار تھے
اپنی دولت کا بڑا حصہ جام و سبو کی نذر کر دیتے۔ شراب کی
وجہ سے ان میں زنا کی کثرت تھی۔ ان کی عورتیں مردوں کی محفلوں
میں گھلی ملی رہتیں۔ اس لیے قدرتی طور پر ان کو فواحش کی آسانیاں
میسر تھیں۔ وہ اپنے ہیجان خیز اعضا کو کھلا رکھتیں۔ کبھی کبھی

برہنہ یا نیم برہنہ ہو کر کعبہ جیسی عامتہ الورود جگہ کا طواف کرتیں۔ ان کے یہ سارے رسوم تاریخوں میں درج ہیں۔ اور میں بھی جانتا ہوں کہ عرب کے جاہل ان تمام فواحش اور بے حیائیوں میں مبتلا تھے لیکن کیا تمہاری نظریں کبھی ادھر بھی اٹھیں ہیں جہاں ان دنوں تہذیب کا دریا اُمنڈ رہا ہے۔ شائستگی کا سمندر موجیں مار رہا اور علم و کمال کا ابر نیساں برس رہا ہے۔ عرب کی بے حیائی اور فواحش کو صرف کتابوں میں دیکھ کر ان کو بے حیا کہتے ہو۔ امریکہ کے پارکوں میں، لندن کی تفریح گاہوں میں، پیرس کی نمائشوں اور بازاروں میں، برلن کی چوپاٹیوں میں جو بے حیائی کے مناظر کی زندہ تصویریں موجود ہیں۔ نیم برہنہ عورتوں کی ٹولیاں جن ملکوں میں گشت لگا رہی ہیں ان سے اپنی آنکھیں بند کیے لیتے ہو۔ جن کی محض سن رہے ہو۔ ان کو بے حیا کہتے ہو پر جن کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ اور خوب دیکھتے ہو ان کی بے حیائی میں شبہ کرتے ہو۔

۹۔ تم کہتے ہو کہ جاہل عرب بڑے جواری، قمار باز اور غایت درجہ سود خوار تھے۔ صبح و شام اس قوم کی غیر طبعی آمدنیاں جو پیشانی کے قطرات کی رہین منت نہ تھیں بلکہ قماری اور خونخواری وحشت اور بربریت کی ہیبت ناک شکلیں تھیں۔ عرب کے جاہل عامتہ اسی قسم کی آمدنیوں کی تلاش میں منہمک رہتے۔ طبیعت میں کیفیت متضاد تھی۔ گھوڑے کی خاطر لڑتے، عورتوں کے جھگڑے میں خون کی ندیاں بہاتے۔ قبیلہ کی حمایت میں اپنی جان دیتے۔ لیکن سود اور جوئے کی لت میں اپنوں کا خون چوستے اپنوں کو ہلاک کرتے۔ پیسے کی خاطر اپنوں ہی کی جانِ عزیز تلف کرتے۔

اور

سونے چاندی کی دیوی پر اپنی ہی بھینٹ چڑھاتے۔ لیکن اے کاش! کوئی ہوتا! جو اس دورِ جہالت میں عالم کے صفحات پر انہیں واقعات کو بے کم و کاست ہوتے ہوتے دیکھتا۔ جاہل عرب میں نہیں، نادار ہند میں نہیں۔ بے علم ایشیا میں نہیں۔ مہذب یورپ میں، متمدن امریکہ میں، ذی علم بستیوں میں، شریف اور ہمدردوں کے ملک میں، جوئے اور سود کی انواع و اقسام کو لاٹری اور بیمہ کمپنی، کواپریٹو سوسائٹی اور بنکوں کے اتار اور چڑھاؤ کو اپنی نظر کے سامنے لاتا۔ عرب جوئے اور سود کے چند بسیط جالوں میں اپنے ہم وطنوں اور ہمسایوں کو پھنسا رہا تھا لیکن آج کون کہہ سکتا ہے کہ کتنے گوناگوں اور پیچ در پیچ پھندے عالم کے صفحات پر بچھے ہوئے ہیں۔ اور دنیا کی مہذب قومیں ایک دوسرے کو ان پھندوں میں پھنسا رہی ہیں۔ اور لطف یہ کہ جو قوم جاہلیت کے مٹانے بیٹھے بجائے روپیہ سمیٹنے کی، خونخواری اور بربریت کو فنا کرنے کے لیے دنیا میں آئی تھی وہ اسی درندگی اور بربریت کے لیے بے تاب و مضطرب ہے۔ مارواڑی اونٹوں، یہودی ہاتھیوں اور یورپین اژدھوں کو دیکھ کر اپنا سر پیٹتی ہے۔ ان میں روپیہ کی فراوانی، دولت کی کثرت اور سود و جوئے کی ترقی کو دیکھتی اور ہاتھ ملتی ہے پر تعجب ہے کہ یورپ کے سرمایہ داروں پر تو ان کی نظر ہے۔ ان کے کارخانوں پر، ان کی عالیشان کوٹھیوں پر، ان کے سودی کاروبار اور تجارتی کارخانوں پر تو ان کی نظر پڑتی ہے۔ لیکن اسی ملک کے غریب مزدور، جھونپڑوں میں رہنے والی غریب رعایا، ننگے اور بھوکے مسکین ان کو نہیں سوجھتے۔ مسکینو! اپنی حالت پر رحم کرو، جن کی طرف تمہارا رُخ ہے وہ خود اپنی حالت کو لعنت سمجھ رہے ہیں اور تم اسی اندھیرے کوئیں میں گرنے کے لیے آمادہ ہو جو تم سے پہلوں کو فنا کر چکا ہے۔

۱۰۔ تم کہتے ہو کہ جاہل عرب علم و فن سے ناآشنا تھے پڑھے لکھے ان میں نہ تھے۔ سلطنت اور حکومت ان کے پاس نہ تھی۔ جمہوریت نہ تھی۔ ہر شخص بادشاہ تھا۔ ہر قبیلہ کا شیخ اپنی قوم کا سردار سمجھا جاتا تھا۔ ایک قوم دوسری قوم کے سامنے سر جھکانا عار سمجھتی تھی۔ غریبوں پر رحم نہ کرتے تھے، بیواؤں اور یتیموں کی آن پر کان نہ دھرتے تھے لیکن اس دورِ ترقی میں اس مساوات کے قانون میں کیا یہی واقعات نہیں دھرائے جا رہے تھے۔ امریکہ کے متمدن ملک میں حبشیوں کا حشر کیا تھا۔ کالے رنگ والے کیونکر اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کیا ان میں کا ہر شخص اپنے آپ کو ان کالوں سے افضل و اعلیٰ نہیں سمجھ رہا تھا۔ کتے کا ان کے یہاں وقار ہے مگر آدم کے بیٹے کی کوئی عزت نہیں۔ چاہتا تھا کہ کچھ اور لکھوں اور جب کبھی توفیق ہو گی شاید سلسلہ پورا ہو جائے لیکن اس وقت تو یہ عرض کرتے ہوئے اس سلسلہ کو ختم کرتا ہوں کہ مقصود نفع اور خیر خواہی ہے کسی کی ہجو اور استہزاء مقصود نہیں جلے ہوئے دل، بھنے ہوئے کلیجے اور لرزتے ہوئے ہاتھ میں یہ طاقت کہاں کہ کسی کے استہزاء کا خیال کر سکوں، کسی کو بنا سکوں اور کسی پر تالیاں بجا سکوں۔ جانتا ہوں کہ جس جہالت کی شکایت غیروں کی کر رہا ہوں۔ خود میری اپنی ہی قوم، اپنی ہی برادری اور

(باقی ۳۰ پر)

تعلیم اور قرآن

خواجہ غلام الحسنین صاحب :

اقراء باسم ربک الذی خلق ۚ خلق الانسان من علق ۚ اقراء وربک الاکرم الذی علم بالقلم ۚ علم الانسان ما لم یعلم ○

یہ سب سے پہلی وحی ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حرا میں نازل ہوئی تھی۔ ان کا آیات کا ترجمہ یہ ہے " تم اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (کل مخلوقات کو) پیدا کیا۔ جس نے انسان کو علقہ (گوشت کے لوتھڑے) سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار ایسا کریم ہے کہ اس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا اور انسان کو وہ سکھایا جو اس کو معلوم نہ تھی"

جامعیت

یہ قدرت کلام الٰہی کے سوا کسی اور کلام میں نہیں ہو سکتی کہ چند الفاظ نے تمام علوم موجودہ و تحقیقات آئندہ کا احاطہ کر لیا ہے۔ ان میں سے چند مطالب کی طرف آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

۱- تعلیم و تعلم کی فضیلت اور انسان سے ان دونوں چیزوں کی خصوصیت۔

۲- پروردگار کا خالق عالم ہونا۔

۳- انسان کی ابتدائی حالت اور اس کا اشرف المخلوقات ہونا۔

۴- خداوند کریم کا احسان خاص کہ اس نے انسان کو علم جیسی نعمت سے مالا مال کیا۔

۵- تعلیم کی دو قسمیں کتابی یا اکتسابی۔ فطری یا الہامی۔

۶- تعلیم اکتسابی کا دوسرے لوگوں سے یا ذاتی مشاہدہ اور مطالعہ سے حاصل ہونا۔

۷- تعلیم اکتسابی کا خاص ذریعہ یعنی تحریر اور کتابت جس کو قرآن نے تعلیم بالقلم کے نام سے تعبیر کیا ہے۔

۸- اشاعت علوم کے دو خاص ذریعے قرأت و کتابت یعنی پڑھنا اور لکھنا۔

۹- قوت گویائی کی طرح لکھنے پڑھنے کی قابلیت کا بھی انسان کے ساتھ مخصوص ہونا۔

۱۰- فطری الہام سے ایک حد تک ہر انسان کا فیضیاب ہونا۔

۱۱- انسانی ترقی کا کسی خاص حد تک محدود نہ ہونا۔

۱۲- سلسلۂ تعلیم کا وحی الٰہی کے ذریعہ جاری ہونا اور انبیاء کا اکتسابی تعلیم سے مستغنی ہونا۔

علم اور تعلیم کی خاص وقعت :

ان آیات سے علم اور تعلیم کی وقعت کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ چونکہ کتابی تعلیم کے ذریعہ سے پچھلی نسلوں کے علمی کارنامے اور ان کی معلومات کے خزانے اگلی نسلوں تک پہنچتے رہتے ہیں (جس میں چھاپہ کی ایجاد نے بہت مدد دی ہے) اور اس تعلیم کا اثر زبانی تعلیم کے مقابلہ میں زیادہ وسیع اور پائدار ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے تعلیم بالقلم کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

قرآن اور مطالعہ کائنات

صحیفہ فطرت کا مطالعہ اور مناظر قدرت کا مشاہدہ ہی علمی ترقی کے ذریعے اور تمام علوم کی بنیاد ہیں۔ اور جس مؤثر پیرایہ میں قرآن مجید نے اس مضمون پر زور دیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ بیان کسی ایک آدھ مقام پر نہیں بلکہ تمام قرآن اس سے مالا مال ہے اور یہ تعلیم اس کے ہر ایک پارہ بلکہ ہر ایک رکوع میں جواہرات کی طرح بکھری ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر ایک آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:-

"درحقیقت آسمان و زمین کی پیدائش میں رات اور دن کے ادل بدل میں اور جہازوں میں جو لوگوں کو فائدہ پہنچانے والی چیزیں (یعنی مال تجارت) لے کر سمندر میں چلتے ہیں اور بارش میں جس کو خدا آسمان سے برساتا ہے۔ پھر اس سے زمین کو اس کی موت (یعنی افتادہ پڑے رہنے) کے بعد دوبارہ

زندہ (یعنی سرسبز و شاداب) کرتا ہے اور ہر قسم کے جاندار جو خدا نے زمین پر پھیلائے ہیں اور ہواؤں کے ادھر ادھر پھرنے میں اور ابر میں جو آسمان و زمین کے درمیان خدا کے حکم سے گھرا رہتا ہے (ان سب چیزوں میں) ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں (قدرت خدا کی) بہت سی نشانیاں ہیں۔" (بقرہ ۲ - ۱۵۹)

قدرتِ الٰہی کے دس نشان : اس ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے دس نشانات بیان کرکے کُل علوم کی طرف اشارے کئے ہیں :-

۱ - آسمانوں کی پیدائش (علم ہیئت و افلاک)

۲ - زمین کی پیدائش (علم طبقات الارض و جمادات و نباتات و حیوانات وغیرہ)

۳ - شب و روز کا رد و بدل رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کا آنا۔ (جغرافیہ طبعی وغیرہ)

۴ - جہازوں کا سمندر میں چلنا (علم جہازرانی و انجنیری و مد و جزر وغیرہ)

۵ - بحری سفر سے لوگوں کا طرح طرح کے فائدے حاصل کرنا (علم تجارت و معاش)

۶ - بارش کا بلندی کی طرف سے پستی کی طرف نازل ہونا (علم موسمیات وغیرہ)۔

۷ - آب باراں سے مُردہ زمین کا زندہ ہونا اور طرح طرح کے نباتات یعنی غلہ ترکاری، گھاس، چارا، پھل پھول وغیرہ کا اس سے پیدا ہونا (علم نباتات وغیرہ)

۸ - چھوٹے سے چھوٹے جاندار سے لے کر بڑے سے بڑے جاندار تک ہر قسم کے حیوانات کا زمین پر پھیلانا۔ (علم حیوانات)

۹ - ہواؤں کا ہیر پھیر کبھی شرقی، کبھی غربی، کبھی جنوبی، کبھی شمالی ہوا کا چلنا (تجارتی ہوائیں)۔

۱۰ - ابر کا آسمان و زمین کے درمیان گھرا رہنا اور حکم خدا سے مناسب وقت میں مناسب مقام پر برسنا (علم برق و باد و باراں وغیرہ)

اس قسم کی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید تمام موجوداتِ عالم کو موجدِ عالم کی معرفت کا ذریعہ قرار دے کر چھوٹی بڑی اشیاء، اسلئے ہر شے کو اس کے علم اس کی حکمت اور اس کی قدرت کی دلیل بتاتا ہے اور عقلِ خداداد سے کام لینے کی جا بجا ہدایت و تاکید فرماتا ہے۔ یہی ایک آیت تمام علوم پر حاوی ہے اور کوئی علم اس کے احاطہ سے باہر نہیں ہے۔ غرض کہ قرآن مجید تمام علوم کا حاوی ہے۔ کیونکہ یہی علوم عقلِ انسانی کو ترقی دے کر معرفتِ الٰہی تک پہنچاتے ہیں۔

جسمانی تربیت : حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے بعد جب جالوت بادشاہ بنی اسرائیل پر ظلم کرنے لگا تو سردارانِ بنی اسرائیل نے اپنے زمانے کے پیغمبر حضرت سموئیل علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا ہے۔ سرداروں نے اعتراض کیا کہ وہ ہم پر کس طرح حکومت کر سکتا ہے۔ اس سے زیادہ حکومت کے حق دار تو ہم لوگ ہیں وہ تو کچھ ایسا فارغ البال اور مالدار بھی نہیں پھر کیوں اس کو فوقیت دی جاتی ہے۔ حضرت سموئیل نے جو کچھ جواب دیا اس کو قرآن مجید نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے :-

قال ان اللہ اصطفٰہ علیکم وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم ؕ واللہ یؤتی ملکہ من یشاء ؕ واللہ واسع علیم (البقرہ ۲۴۸)

ترجمہ :- (پیغمبر نے) کہا کہ اللہ نے تم پر (حکومت کے لیے) اس کو منتخب کیا ہے اور (مال میں نہیں تو نہ سہی) علم اور جسم میں اس کو فراخی دی ہے اور اللہ جس کو چاہے اپنا ملک دے اور اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے علم اور جسم کو مساوی عظمت دی ہے۔ یعنی عقلی تربیت کے ساتھ جسمانی تربیت کو لازمی قرار دیا ہے۔ علمی ترقی کے ساتھ بدن کی صحت اور ورزش کو بھی ضروری بتایا ہے۔ غرضیکہ جسم اور روح دونوں کی غور پرداخت پر یکساں توجہ دلائی ہے اور کسی سے غفلت کرنا روا نہیں رکھا اور ان کے مقابلہ میں مال و دولت کی کوئی حقیقت نہیں سمجھی گئی۔

تاریخ : اخلاقی و روحانی تربیت کے لیے تاریخ کا مطالعہ جس قدر ضروری ہے محتاج بیان نہیں۔ قوموں کے حالات، ان کی ذاتی خصوصیات، ان کے عادات و اطوار ان کے عروج و زوال کا فلسفہ، ان کے بننے اور بگڑنے کے

اصول، جغرافیہ، دنیا کے تمام نشیب و فراز تاریخ ہی سے معلوم ہوتے ہیں اور اگلوں کی زندگی پچھلوں کے لیے عبرت اور ہدایت کا موجب ہوتی ہے۔ یوں تو قرآن مجید کا کوئی ورق بھی اس نصیحت سے خالی نہ ہوگا مگر اس وقت صرف ایک آیت پیش کی جاتی ہے جس نے قصص القرآن کی حکمت اور فلسفہ تاریخ کو چند لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔ وہ آیت یہ ہے:۔

لقد کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب (یوسف ۱۲:۱۱۱)

ترجمہ:۔ "حقیقت میں عقل والوں کے لیے ان لوگوں کے حالات میں بڑی عبرت (و نصیحت) ہے۔"

جغرافیہ: علم جغرافیہ پر بھی قرآن مجید جابجا توجہ دلاتا ہے اور اس کے حقائق پر غور و خوض کی تاکید کرتا ہے مثلاً سورہ عبس کی آیات ذیل:۔

ترجمہ:۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے کہ ہم نے بلندی کی طرف سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے زمین کو شق کیا (یعنی اس قابل بنایا کہ اس میں ہل چلایا جا سکے اور بیج کو ایسی طاقت دی کہ وہ زمین کو پھاڑ سکے)۔ پھر ہم نے (سب کچھ) اس میں اگایا غلّہ اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے گھنے باغ اور میوے اور چارا (اور یہ سب کچھ) تمہارے اور تمہارے چارپایوں کے فائدے کے لیے" (عبس ۸۰: ۲۴ - ۳۲)

ان آیات میں زمین کے طبعی حالات اس کی اقسام، اس کی پیداوار، بارش اور اس کے اسباب بارش کا اثر پانی سے زمین کی آب پاشی انسان و حیوانات کی خوراک، حیوانات کے فوائد انسان کا مدنی الطبع ہونا وغیرہ امور پر غور و خوض کا حکم دیا گیا ہے اور یہی وہ باتیں ہیں جن میں علم جغرافیہ میں بحث ہوتی ہے۔

سائنس کی مذہبی حیثیت: یہ خیال کہ سائنس کی تعلیم انسان کو بے دین یا کم از کم دین سے غافل کر دیتی ہے، ایک مدت تک لوگوں کے دل میں جاگزیں رہا اور اب بھی اکثر مسلمانوں کے دل میں بیٹھا ہوا ہے مگر یہ خیال خام ہے جو قرآن مجید کے مطالعہ اور اس کے مطالب پر غور و فکر کرنے سے بہ آسانی دور ہو سکتا ہے۔

اس مقام پر اس لطیف بحث کا بیان خاص کر جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لیے خالی از دلچسپی نہ ہوگا جو سرتاج فلاسفہ یورپ حکیم ہربرٹ اسپنسر نے اپنی مشہور کتاب "ایجوکیشن" میں کی ہے ہم نے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ جو ۱۹۰۲ء میں "فلسفہ تعلیم" کے نام سے چھپ کر انجمن ترقی اردو کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ حکیم موصوف نے سائنس کی مذہبی حیثیت کی بابت جو کچھ لکھا ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے:۔

"بے شک سائنس ان توہمات کا دشمن ہے جو مذہب کے نام سے مشہور ہیں نہ کہ اصلی و حقیقی مذہب کا جس کو یہ توہمات محض پوشیدہ کر دیتے ہیں اس میں بھی شک نہیں کہ بہت سائنس جو رائج ہے اس میں لامذہبی کی روح غالب ہے مگر نہ اس سچے سائنس میں جو سطح سے گزر کر تہ تک پہنچ گیا ہے ـــــ بہت سے لوگوں کا یہ خیال کہ سائنس لامذہبی اور بے دینی کی تعلیم دیتا ہے یہ محض غلط ہے۔ سائنس کا لامذہبی کی تعلیم دینا تو ایک طرف رہا خود سائنس سے غفلت کرنی بے دینی ہے ایک ادنیٰ مثال سے اس بات کو سمجھ لو۔ فرض کرو کہ بعض لوگ روزمرہ کسی مصنف کی تعریفوں کے پل باندھا کریں۔ فرض کرو مصنف کی جس قدر تعریفیں کی جائیں ان کا مضمون ہمیشہ یہی ہو کہ اس کی تصانیف کی دانائی، عظمت و جلالت اور خوبی و لطافت کا اعتراف کیا جائے۔ فرض کرو کہ جو لوگ اس طرح اس کی کتابوں کی صفت و ثنا متواتر بیان کرتے رہتے ہیں۔ وہ ان کتابوں کی صرف بیرونی صورت دیکھنے پر قناعت کریں اور ان کا مضمون سمجھنے کی کوشش تو الگ رہی کبھی ان کو کھول کر بھی نہ دیکھیں۔ بھلا ایسے آدمیوں کی تعریفوں کی (جو تحسین ناشناس کا مصداق ہیں) ہم کو کیا قدر کرنی چاہیے؟ ان کی صداقت اور راست بازی کی نسبت ہم کو خیال کرنا چاہیے؟ تاہم اگر چھوٹی چیزوں کا بڑی چیزوں کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ موجودات عالم اور اس کی علت (خدا تعالیٰ) کی نسبت بھی نوع انسانی کا طرز عمل ہوگا اسی قسم کا ہے نہیں بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ فقط اتنی ہی بات نہیں کہ وہ بغیر مطالعہ کے ان چیزوں کے پاس سے کترا کر نکل جاتے ہیں جن کو وہ روزمرہ کے نہایت عجیب و غریب بتلاتے ہیں، بلکہ جو لوگ قدرت کے مشاہدہ میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں۔ اکثر اوقات ان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ فعل عبث میں اوقات ضائع کرتے ہیں جو لوگ ان عجائبات میں علمی ذوق و

شوق ظاہر کرتے ہیں۔ پیچ ہے ان کو حقیر سمجھتے ہیں۔ پس ہم تکرار کرتے ہیں کہ سائنس نہیں بلکہ سائنس سے غفلت کرنی بے دینی ہے۔ سائنس کی بحث خاموش عبادت ہے۔ یعنی جن چیزوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے ان کی عظمت کو اور کنایۃً ان کی علت (خدا تعالیٰ) کی عظمت کو چپ چاپ تسلیم کرتا ہے۔ یہ صرف زبانی بندگی نہیں ہے بلکہ ایسی بندگی ہے جو افعال سے ظاہر ہوتی ہے۔ یہ ایسی اطاعت نہیں ہے جس میں صرف اقرار باللسان ہو بلکہ ایسی اطاعت ہے جس میں تصدیق بالجنان اور عمل بالارکان بھی شامل ہیں اور اس کا ثبوت وقت غور و فکر اور محنت کو قربان کرنے سے ملتا ہے۔"

آخر میں ہم سائنس کی ایک اور مذہبی حیثیت دکھاتے ہیں۔ وہ یہ کہ زندگی کے رازہائے سربستہ کے ساتھ ہم کو جو تعلق ہے اور خود اپنے نفس کا صحیح تصور سائنس ہی کی بدولت حاصل ہو سکتا ہے۔ سائنس ان تمام باتوں کو بتاتا ہے جن کا جاننا ممکن ہے اور ساتھ ہی اس کے اس حد کو بتاتا ہے جس سے آگے کا حال ہم کو کچھ نہیں معلوم ہو سکتا۔ سائنس ہم کو بطور اعتقاد کے یہ بات نہیں سکھاتا کہ علت العلل کی ماہیت کا سمجھنا محال ہے۔ بلکہ ہر طرف اس حد پر پہنچا کر جس سے آگے قدم رکھنے کی مجال نہیں۔ اس امر کے محال ہونے کو کھلم کھلا ہم سے تسلیم کرا لیتا ہے۔ سائنس اس بات کو برأی العین مشاہدہ کرا دیتا ہے اور کسی دوسرے طریقے سے یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی کہ اس ہستی کے آگے جو عقلِ انسانی سے بالاتر ہے عقلِ انسانی قاصر و عاجز ہے۔ سماعی روایات اور لوگوں کی اسناد کی طرف اس کی روش شاید متکبرانہ ہو مگر اس پردہ اسرار کے آگے جس میں قادر علی الاطلاق چھپا ہوا ہے اور جس میں کوئی شخص باریاب نہیں ہو سکتا اس کی روش عاجزانہ ہے۔

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلّے بسوزد پرم

اس سائنس کا کبر بھی سچا ہے اور انکسار بھی صرف سائنس کا سچا عالم (اور اس لقب سے ہماری مراد اس شخص سے نہیں ہے جو صرف فاصلوں کا اندازہ کرتا ہے یا مرکبات کی تحلیل کرتا ہے یا چیزوں کی نوعیں مقرر کرتا ہے بلکہ ہماری مراد اس شخص سے ہے جو ادنےٰ حقیقتوں کے ذریعہ سے اعلیٰ حقیقتوں کا اور آخرکار اعلیٰ ترین حقیقتوں کا سراغ لگاتا ہے) ہاں صرف سائنس کا سچا عالم حقیقت میں یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ قادر مطلق کی قدرت جو سب چیزوں پر حاوی ہے۔ نہ صرف انسانی علم بلکہ انسانی خیال و قیاس سے بھی کہیں قدر برتر ہے اور کائنات، حیات، اور ادراک اسی قدرت کے کرشمے ہیں سبحانہ ما اعظم شانہ۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہرچہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اول وصفِ تو ماندہ ایم (فلسفۂ تعلیم ۷۹-۸۴)

یہ اس شخص کے خیالات ہیں جس نے تمام عمر سائنس اور فلسفہ کے مطالعہ میں گزاری تھی اور جو اس زمانے کا سب سے بڑا عالم اور فلسفی ہوا ہے اور جس کی بابت حکما کا خیال ہے کہ اگر آج افلاطون زندہ ہوتا اور گزشتہ ۲۲۰۰ برس کی علمی ترقیوں سے واقف ہوتا تو بھی ہربرٹ اسپنسر سے بہتر نہ کہہ سکتا۔ جو لوگ کو سائنس کی ابجد پڑھ کر ہمہ دانی کا دعوے کرنے لگتے ہیں اور قدرت کے رازہائے سربستہ کی گرہ اپنے ناخنِ تدبیر سے کھولنا چاہتے ہیں یا اسرارِ الٰہی کے عقدۂ پیچیدہ کو اپنی ناقص اور محدود عقل سے حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہربرٹ اسپنسر کی اس رائے سے نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔

سائنس کی تعلیم اور قرآن کریم

سائنس کی مذہبی حیثیت کی بابت یورپ کے سب سے بڑے عالم اور نامور حکیم نے جو خیال ظاہر کیا ہے وہ ٹھیٹ اسلامی تعلیم ہے جو ہم کو تیرہ سو برس پہلے دی گئی تھی جس سے ہم نے منہ پھیر لیا کیونکہ قرآن شریف میں سینکڑوں مقامات پر کائنات اور مخلوقات سے خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی قدرت پر استدلال کیا گیا ہے اور جابجا انسان کو اس امر کی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ مظاہر قدرت کا بغور مطالعہ کرکے خدا تعالیٰ کی عظمت و جلالت کو سمجھے۔ مثلاً سورہ آل عمران میں ہے:

إن في خلق السموٰت والأرض واختلاف الليل والنهار لآيات لأولي الألباب ۝ الذين يذكرون الله قياماً وقعوداً وعلى جنوبهم ويتفكرون في خلق السموٰت والأرض ربنا ما خلقت هذا باطلاً سبحانك فقنا عذاب النار

(آل عمران ۱۸۷ - ۱۸۸)

ترجمہ :- آسمان و زمین کی بناوٹ اور رات اور دن کے رد و بدل میں عقل مندوں کے لیے قدرت الٰہی کی نشانیاں موجود ہیں جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی ساخت میں غور کرتے ہیں (اور بے اختیار بول اٹھتے ہیں) اے ہمارے پروردگار تو نے اس عالم کو بے فائدہ نہیں بنایا۔ تیری ذات پاک ہے ہم کو عذاب دوزخ سے بچائیو۔

سورہ نحل میں ہے :-

هُوالذی انزل من السماء ماءً لکم منه شراب ومنه شجر فیه تسیمون ٭ ینبت لکم به الزرع والزیتون والنخیل والاعناب ومن کل الثمرات ان فی ذالک لاٰیةً لقوم یتفکرون ٭ وسخر لکم اللیل والنهار والشمس والقمر والنجومُ مسخرات بامره ٭ ان فی ذالک لاٰیت لقوم یعقلون ٭ (نحل ۱۰-۱۲)

ترجمہ :- وہی قادر مطلق ہے، جس نے آسمان سے پانی برسایا جس میں سے کچھ تمہارے پینے کا ہے اور اسی سے درخت پرورش پاتے ہیں جنہیں مویشیوں کو کھلاتے ہو۔ اسی پانی سے خدا تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے جو لوگ غور و فکر سے کام لیتے ہیں ان کے لیے اس میں (قدرتِ خداوندی کا) ایک نشان ہے اور اسی نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو تمہارے تابع کر رکھا ہے اور سیارے بھی اسی کے حکم سے تمہارے فرماں روا رہیں۔ عقل والوں کے لیے ان چیزوں میں (قدرتِ خدا کی) بہت سی نشانیاں ہیں۔

شیخ سعدی نے قرآن شریف کے اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے۔ ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

قرآن شریف میں سینکڑوں آئتیں اس مضمون کی موجود ہیں۔ جن سے ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ نے موجودات قدرت کا علم (یعنی سائنس) کے حاصل کرنے کی انسان کو کس قدر تاکید کی ہے۔ پس ہربرٹ اسپنسر کا یہ قول کہ "سائنس سے غفلت کرنی بے دینی ہے" بجائے خود درست ہے۔

سائنس اور مذہب کی حدود : سائنس کے عالم اپنی تحقیقات میں مادیات سے آگے قدم نہیں رکھ سکتے۔ مثال کے طور پر کیمسٹری کو لو اس علم میں مادہ کے کیمیائی تغیرات سے بحث ہوتی ہے جن کی وجہ سے نئے نئے خواص والے مرکبات پیدا ہوتے ہیں۔ کیمیائی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ گندھک کے تیزاب میں تین عنصر پائے جاتے ہیں۔ ہائیڈروجن دو حصے۔ گندھک ایک حصہ اور آکسیجن ۴ حصے، اور آب خالص میں باعتبار حجم آکسیجن کا ایک ذرّہ اور ہائیڈروجن کے دو ذرے ہوتے ہیں۔ یہ دونوں عنصر ایک دوسرے سے مختلف اور ان کے خواص بالکل جداگانہ ہیں مگر جب کہ وہ ایک اور دو کی نسبت سے باہم ملتے ہیں تو ایک مرکب یعنی پانی بن جاتا ہے۔ پانی کے خواص آکسیجن اور ہائیڈروجن کے خواص سے بالکل الگ ہیں۔ اسی طرح تمام عناصر (جن کی تعداد اس وقت اسّی کے قریب دریافت ہو چکی ہے) مختلف خواص رکھتے ہیں اور یہی حالت تمام مادی مرکبات کی ہے جو عناصر کی مختلف ترکیبوں سے بنتے ہیں۔ مثلاً جمادات، نباتات، حیوانات وغیرہ اور ان میں بے شمار انواع و اقسام۔

یہ ہے وہ حد انتہائی جس سے آگے سائنس کی رسائی نہیں اور یہی وجہ ہے کہ سائنس کے عالموں کے پاس اس قسم کے سوالات کا کوئی جواب نہیں ہے۔

۱۔ واحد مادہ سے متعدد عناصر کیونکر بن گئے ؟

۲۔ عناصر کے خواص میں اختلاف کس نے پیدا کر دیا ؟

۳۔ مرکبات میں مختلف عناصر کیونکر جمع ہو گئے ؟

۴۔ عناصر کی باہمی نسبتیں کس طرح مختلف ہو گئیں۔ ؟

۵۔ نسبتوں کے بدلنے سے جدید خواص والے مرکبات کس طرح پیدا ہو گئے ؟

مگر مذہب کی حکومت سائنس کی حدود سے بہت آگے اور اس سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب اس قسم کے سوالات کے جواب دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ تمام موجودات عالم (عناصر ہوں یا مرکبات ارواح ہوں یا اجسام) اور ان کے خواص اور افعال ایک کامل الذات علیم و حکیم و خبیر و قدیر

کی مشیت کے تابع اور اسی کی مخلوق ہیں جس کی حکمت و قدرت و صنعت کا کمال ذرہ سے لے کر آفتاب تک ہر شے میں نظر آتا ہے۔

مادہ عالم کے مخلوق ہونے کا ثبوت :

میں اس مطلب کو ایک مثال کے ذریعہ سے واضح کرنا چاہتا ہوں۔ مثلاً آپ ایک ہال میں بیٹھے ہوئے تقریر سُن رہے ہیں۔ اس کے فرش، چھت، دیواروں، دروازوں، کھڑکیوں، گیلریوں، برآمدوں اور دوسرے حصوں، اور اس کی مجموعی حیثیت کو دیکھ کر آپ فوراً اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ جس انجنیئر نے اس کا نقشہ تجویز کیا تھا وہ اپنے فن میں کامل تھا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر مٹی، پانی، چونا، لوہا، لکڑی، پتھر وغیرہ سامانِ عمارت موجود نہ ہو تو صرف انجنیئر کی علمی قوت اور عقلی طاقت سے کوئی عمارت نہیں بن سکتی۔ مثلاً اگر مٹی میں یہ خاصیت نہ ہوتی کہ پانی کے ملنے سے گارا بن جائے۔ گارا سانچے میں ڈھل کر ایک مجسم مکعب کی صورت اختیار کرے اور بھٹے میں ایک خاص درجہ تک حرارت پہنچانے سے پختہ اینٹیں تیار ہو جائیں تو کسی انسان میں یہ قدرت نہیں کہ ایک دیوار بھی قائم کر سکے۔ اسی طرح اگر مادے کے ذروں میں کشش کیمیائی اور کشش انفصال موجود نہ ہوتی تو وہ بالکل الگ الگ رہتے اور یہ گوناگوں مخلوقات کیونکر پیدا ہوتیں۔ زمین، آسمان، انسان، حیوان، جمادات، نباتات وغیرہ کوئی شے بھی وجود میں نہ آتی۔ عالم میں خاک دھول کے انبار اور گرد و غبار کے سوا اور کیا ہوتا۔ المختصر جو قدرت و حکمت آفتاب عالم تاب میں نظر آتی ہے وہی ایک ذرہ میں بھی نظر آتی ہے اور جو باضابطگی عالم کی بڑی سے بڑی شے میں پائی جاتی ہے۔ وہی باضابطگی ایک چھوٹی سے چھوٹی شے میں بھی پائی جاتی ہے۔ بس جس دلیل سے عقل سلیم نے آفتاب کو مخلوق ثابت کیا ہے۔ وہی دلیل ایک ذرہ کو بھی مخلوق ثابت کرتی ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ آفتاب تو حادث اور مخلوق ہے مگر جن ذرّوں سے وہ بنا ہے وہ قدیم اور غیر مخلوق ہیں" تو یہ قول ایسا ہی کچھ ہوگا جیسا یہ قول کہ "اسٹریچی ہال تو بے بنائے نہیں بنا ہوگا اس کی اینٹیں خود بخود ہی ہو گئی موجود تھیں، اور کوئی ان کا بنانے والا نہیں تھا" یہ ذرّے جن کو ایٹم (ATOMS) یا اجزائے لایتجزیٰ کہتے ہیں وہی اینٹیں ہیں جن پر اس عالم کی عمارت قائم ہے۔ اگر کسی مکان کی اینٹیں خود بخود نہیں بن سکتیں تو یہ ذرّے بھی خود بخود موجود نہیں ہو سکتے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اینٹ کا بنانے والا ایک محدود العلم اور محدود القدرت انسان ہے جو مٹی کی خداداد خاصیتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے مگر ایٹم کا خالق وہی غیر محدود علم و قدرت والا ہے۔ جس نے تمام عالم کو پیدا کیا ہے جو سب کا حاکم سب کا مالک اور سب کا نگہبان ہے۔ اس مطلب پر قرآن مجید نئے نئے عنوانوں سے روشنی ڈالتا ہے۔ چند آیات بطور نمونہ ملاحظہ ہوں :-

۱۔ ھو اللہ الواحد القھار (زمر ۳۹ : ۶) وہ واحد اور زبردست خدا ہے۔

۲۔ اللہ خالق کل شیئٍ و ھو علی کل شیئٍ و کیل (زمر ۳۹ : ۶۲)۔ اللہ ہر شے کا خالق ہے اور وہی ہر شے کا نگہبان ہے۔

۳۔ واللہ بکلّ شیئٍ علیم (بقرہ ۲ : ۲۸۲) اور اللہ ہر شے کا پورا پورا عالم ہے۔

۴۔ واللہ علی کل شیئٍ قدیر (بقرہ ۲ : ۲۸۴) اور اللہ ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والا (قادرِ مطلق) ہے۔

۵۔ واللہ علی کل شیئٍ شہید (مجادلہ ۵۸ : ۶) اور اللہ ہر شے کا نگران ہے۔

تمام علوم جن کی تحصیل پر قرآن مجید نے اس قدر زور دیا ہے۔ ان کی تقسیم کس طرح ہے۔ ایک حدیث نبوی نے ان کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے جن کے الفاظ یہ ہیں :-

العلم علمان علم الابدان و علم الادیان۔ علم دو قسم کے ہیں۔ علم ابدان (مادی علوم)، اور علم ادیان (روحانی علوم)،

مادی علوم :

مادی علوم حساب، جغرافیہ، ہندسہ وغیرہ تک محدود نہیں ہیں بلکہ ان میں سائنس کی تمام شاخیں شامل ہیں مثلاً :-

۱۔ جی آلوجی (علم طبقات الارض)

۲۔ باٹنی (علم نباتات)

۳۔ زوآلوجی (علم حیوانات)

۴۔ فزکس (علم طبیعیات)

۵۔ کیمسٹری (علم کیمیا)

(باقی ۲۵ پر)

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کا فتویٰ جہاد

اور

اس کے مفتیانِ کرام

از: — پروفیسر محمد ایوب قادری

دہلی میں جنگِ آزادی کا آغاز یوں تو ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو ہوا۔ اور بہادر شاہ ظفر کی بادشاہت کا اعلان ہو گیا مگر تحریک میں ضبط و نظم اور عوام میں جوش و جذبہ جنرل بخت خاں کے دہلی پہنچنے (۲ جولائی ۱۸۵۷ء) کے بعد پیدا ہوا۔ جنرل بخت خاں نے پہلا کام یہ کیا کہ اس نے علمائے دہلی سے فتوئے جہاد مرتب کرایا۔ یہ فتویٰ اس زمانے کے دہلی کے اخبارات "ظفر الاخبار" اور "صادق الاخبار" میں شائع ہوا۔ اس کے بعد دہلی میں جہاد کا چرچا خوب ہو گیا۔[1]

شمس العلما مولوی ذکاء اللہ دہلوی نے اس سرگزشت کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔[2]

"جب تک دہلی میں بخت خاں نہیں آیا۔ جہاد کے فتوے کا چرچا شہر میں بہت کم تھا۔ مساجد میں منبروں پر جہاد کا وعظ کم تر ہوتا تھا۔ دہلی کے مولوی اور اکثر مسلمان خاندانِ تیمور کو ایسا خولہ خبط جانتے تھے کہ وہ نا ممکن سمجھتے تھے کہ اس خاندان کی بادشاہی ہندوستان میں ہو مگر اس کے ساتھ عام مسلمانوں کا یہ یقین تھا کہ انگریزی سلطنت کے بدن میں یہ ایک ایسا پھوڑا نکلا ہے کہ وہ جانبر نہ ہوگی۔ یہ کارہ مسلمانوں کا تھا کہ وہ جہاد جہاد پکارتے پھرتے تھے مگر جب بخت خاں دہلی میں آیا تو اس نے یہ فتوئے لکھایا کہ مسلمانوں پر جہاد اس لیے فرض ہے کہ اگر کافروں کو فتح ہوگی تو وہ ان کے سب بیوی بچے قتل کر ڈالیں گے۔ اس نے جامع مسجد میں مولویوں کو جمع کرکے جہاد کے فتویٰ پر دستخط و مہریں ان کی کرالیں۔ اس فتویٰ کا اثر یہ تھا کہ مسلمانوں میں جوشِ مذہبی زیادہ ہو گیا۔"[3]

عبدالشاہد خاں شروانی نے علامہ فضل حق خیر آبادی کو فتویٰ جہاد کا ہیرو ثابت کرنے کے لیے ایک دوسری روایت بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں[4]

علامہ فضل حق سے جنرل بخت خاں ملنے پہنچے۔ مشورے کے بعد علامہ نے آخری تیر ترکش سے نکالا۔ بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علما کے سامنے تقریر کی، استفتا پیش کیا مفتی صدر الدین خاں آزردہ صدر الصدور دہلی، مولوی عبدالقادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبر آبادی، سید مبارک شاہ رام پوری نے دستخط کر دیے۔ اس فتویٰ کے شائع ہوتے ہی ملک میں شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی۔[5]

مولوی عبدالشاہد خاں شروانی نے معلوم نہیں یہ حکایت کہاں سے اخذ کی ہے۔ جہاد کے فتویٰ پر مولانا فضل حق خیر آبادی قاضی فیض اللہ، مولوی فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر وزیر خاں اور سید مبارک شاہ رام پوری میں سے کسی کے دستخط نہیں ہیں[6] مولوی فضل حق خیر آبادی تو وسط اگست ۱۸۵۷ء میں دہلی پہنچے تھے۔ اس وقت تک یہ فتوئے مشتہر ہو چکا تھا۔ لہٰذا ان کے دستخط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا[7]

فتویٰ کا متن درج ذیل ہے[8]

استفتاء اور جواب

استفتاء:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ اب جو انگریز دہلی پر چڑھ آئے اہلِ اسلام کی جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس صورت میں اب اس شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں اور اگر فرض ہے تو وہ فرضِ عین ہے یا نہیں۔ وہ لوگ جو اور شہروں اور بستیوں کے رہنے والے

کہ ان پر بھی جہاد چاہیے یا نہیں، بیان کرو، اللہ تم کو اجر دے گا۔"

جواب :- "در صورتِ مرقوم فرضِ عین ہے اور پر تمام اس شہر کے لوگوں کے اور استطاعت ضرور ہے اس کی فرضیت کے واسطے۔ چنانچہ اس شہر والوں کو طاقت مقابلے اور لڑائی کی ہے بسبب کثرتِ اجتماع افواج کے اور مہیا اور موجود ہونے آلاتِ حرب کے تو فرضِ عین ہونے میں کیا شک رہا اور اطراف و حوالی کے لوگوں پر جو دور ہیں باوجود خبر کے فرض کفایہ ہے۔ ہاں اگر اس شہر کے لوگ باہر ہو جائیں، مقابلے سے یا سستی کریں اور مقابلہ نہ کریں تو اس صورت میں ان پر بھی فرضِ عین ہو جائے گا اور جو عدو اور بستیوں پر ہجوم اور غارت اور قتل کا ارادہ کریں تو اس بستی والوں پر بھی فرض ہو جائے گا بشرط ان کی طاقت کے۔"

دستخط

۱۔ المجیب مصیب، احقر العباد نور جمال عفی عنہ، ۲۔ العبد محمد عبدالکریم، ۳۔ فقیر سکندر علی، ۴۔ سید محمد نذیر حسین، ۵۔ رحمت اللہ، ۶۔ مفتی محمد صدرالدین، ۷۔ مفتی اکرام الدین معروف سید رحمت علی، ۸۔ محمد ضیاء الدین، ۹۔ عبدالقادر، ۱۰۔ فقیر احمد سعید، ۱۱۔ محمد میر خاں، ۱۲۔ العبد مولوی عبدالغنی، ۱۳۔ خادم العلماء مولوی محمد علی، ۱۴۔ فرید الدین، ۱۵۔ محمد سرفراز علی، ۱۶۔ سید محبوب علی جعفری، ۱۷۔ ابو احمد محمد حامی الدین، ۱۸۔ سید احمد علی، ۱۹۔ الٰہی بخش، ۲۰۔ محمد کریم اللہ، ۲۱۔ مولوی سعید الدین، ۲۲۔ محمد مصطفیٰ خاں ولد حیدر شاہ نقش بندی، ۲۳۔ محمد انصار علی، ۲۴۔ حفیظ اللہ خاں، ۲۵۔ محمد نور الحق، ۲۶۔ محمد ہاشم، ۲۷۔ سید علی، ۲۸۔ العبد سیف الرحمٰن، ۲۹۔ سید محمد، ۳۰۔ محمد امداد علی عفی عنہ، ۳۱۔ سید عبدالحمید عفی عنہ، ۳۲۔ ضیاء الفقہا سراج العلما مفتی عبدالرب العالمین محمد رحمت علی خاں، ۳۳۔ خادم الشرع شریف رسول الثقلین قاضی القضاۃ محمد علی حسین۔

اس فہرست کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں :-

۱۔ پہلے وہ علمائے کرام ہیں جنہوں نے اس فتوے کو درست اور صحیح سمجھتے ہوئے دستخط کیے تھے اور اس کے نتائج بھی بھگتے۔ ان لوگوں میں مندرجہ ذیل حضرات ہیں :-

۱۔ شاہ احمد سعید، ۲۔ شاہ عبدالغنی، ۳۔ مولوی محمد سرفراز علی، ۴۔ فرید الدین، ۵۔ مولوی عبدالقادر لدھیانوی، ۶۔ سیف الرحمٰن لدھیانوی، مولوی رحمت اللہ۔

شاہ احمد سعید مجددی، شاہ ابو سعید مجددی کے نامور فرزند، عالم اور محدث تھے اور انہوں نے دہلی میں سب سے پہلے جہاد کا چرچا شروع کیا۔ کمال الدین حیدر حسینی لکھتے ہیں[۹]

"مولوی احمد سعید، شاہ غلام علی کے نواسے، مجتہد اہلِ سنت، وہ جامع مسجد میں علمِ جہاد کے اٹھانے کے باعث ہوئے۔ اور اہلِ اثنا عشری شریک اس جہاد کے نہ ہوئے، کس واسطے کہ ان کے مذہب میں غیبتِ امام میں جہاد حرام ہے۔"

شاہ احمد سعید سقوطِ دہلی کے بعد ۱۸۵۷ء ہی میں اپنے اہل و عیال کو لے کر حجاز چلے گئے اور وہیں ۱۲۷۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔[۱۰]

شاہ عبدالغنی، شاہ احمد سعید کے برادرِ خورد اور شاہ ابو سعید مجددی کے فرزندِ اصغر تھے۔ وہ ۱۲۳۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے نامور عالم اور محدث تھے۔ شاہ محمد اسحاق دہلوی کے تلمیذ و جانشین تھے۔ انہوں نے جہاد کے فتوے پر دستخط کیے اور پھر اپنے بھائی احمد سعید کے ہمراہ حجاز چلے گئے۔ اور وہیں ۱۲۹۶ھ میں انتقال ہوا۔[۱۱] ان کے تلامذہ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں جنہوں نے اپنے شیخ کے اتباع میں تحریکِ آزادی میں حصہ لیا۔

مولانا سرفراز علی، امام المجاہدین اور جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے ممتاز قائدین میں تھے۔ شمس العلماء ذکاء اللہ لکھتے ہیں۔[۱۲]

"دہلی میں جب باغی سپاہ کے افسرِ اعلیٰ بخت خاں و غوث خاں و مولوی امام خاں رسالدار جمع ہوئے اور ان کے ساتھ مولوی عبدالغفار اور مولوی سرفراز علی آئے تو پھر وہابیوں کا اجتماع دہلی میں شروع ہوا اور مولوی سرفراز علی جہادیوں کے سرگرم کارکن اور امام المجاہدین اس کا معاون ہوا۔"

مولوی فرید الدین دہلی کے نامی گرامی عالم تھے، سلسلہ بیعت و ارشاد بھی جاری تھا۔ ان کی ایک کتاب "سیف المسلول علیٰ من انکر اثر قدم الرسول" مشہور ہے۔ ان کے نامور فرزند مولانا حافظ محمد عمر عرف سراج الحق دہلوی مشہور عالم اور شیخِ طریقت تھے۔

مولوی عبدالقادر بن حکیم حافظ عبدالوارث لدھیانوی نامور عالم تھے۔ انہوں نے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار

حصہ لیا۔ اس میں ان کے بڑے بھائی اور چاروں صاحبزادگان مولوی سیف الرحمٰن، مولوی محمد، مولوی عبداللہ اور مولوی عبدالعزیز بھی شریک رہے اور اس خاندان کی شرکت کی وجہ سے لدھیانہ اس تحریک کا خاص مرکز بن گیا تھا۔ ان لوگوں نے پنجاب کی فوجوں سے بھی تعلقات قائم کر لیے تھے۔ مگر یہ ان ہی چھاؤنیوں میں ممکن ہو سکا جہاں ہندوستانی سپاہی متعین تھے۔ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں ۱۵؎

تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ پنجاب میں جہاں جہاں ہنگامے (بسلسلہ ۱۸۵۷ء) بپا ہوئے وہ پنجابیوں نے نہیں بلکہ ہندوستانیوں نے بپا کئے تھے۔ پنجابیوں نے تو ایک سے زیادہ موقعوں پر درخواست کی تھی کہ انہیں ہندوستانی فوجیوں سے الگ رکھا جائے۔"

ساورکر کا بیان ہے۔ ۱۶؎

"سکھ اور فرنگی فوجوں کے خلاف اپنی تازہ فتح کی خوشی اور مسرت سے سرشار ہو کر قوم پرست فوجی رسالہ دوپہر کے وقت شہر میں داخل ہوا۔ شہر میں ایک با اثر مولوی تھے جو ہمیشہ وہاں کے لوگوں کو فرنگی طوقِ غلامی کو اُتار پھینکنے اور سوراج قائم کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ ان مولوی کی تقریروں کا یہ اثر ہوا کہ یہ شہر پنجاب کی انقلابی پارٹیوں کا ایک مضبوط مرکز بن گیا اور غلامی کی زنجیروں پر آخری ضرب لگانے کا وقت آ گیا تو سارا شہر مولوی صاحب کے اشارے پر بیدار ہو گیا۔ لدھیانہ میں بھی انقلاب کی آگ لگی۔ جالندھر، پھلور اور لدھیانہ کی انقلابی افواج اور شہریوں کی قومی فوج مولوی صاحب کی زیر کمان دہلی کی طرف روانہ ہو گئی۔"

ایک ہم عصر وقائع نگار ۲؍جولائی ۱۸۵۷ء کے ضمن میں لکھتا ہے۔ ۱۷؎

عبدالرحمٰن و عبدالقادر دو صد سوار با آویزۂ علامت گرد آوردند، نہ ہمیں بس، جستجو و تگاپو زیادہ ازیں دو صد کس بود بخت خان سپارش نمود کہ خسرو بہ ہر یک زوج دوشالہ بخشود۔

مولوی عبدالقادر مسجد فتح پوری میں مقیم ہوئے اور وہیں ان کی اہلیہ کا انتقال ہوا۔

سقوطِ دہلی کے بعد مولوی عبدالقادر، ان کے بیٹے اور ساتھی کرنال ہوتے ہوئے پٹیالہ کے جنگلات میں روپوش ہو گئے اور لدھیانہ میں مولوی عبدالقادر کی تمام جائداد مع مسجد نیلام کر دی گئی اور گرفتاری کے لیے انعام مقرر ہو گیا۔

مولوی عبدالقادر اور ان کے بیٹے پٹیالہ سے بیس میل کے فاصلے پر موضع ستلانہ میں قیام پذیر ہو گئے اور وہیں ۱۲۷۶ھ – ۱۸۶۰ء میں مولوی عبدالقادر کا انتقال ہوا۔

مولوی عبدالقادر کے صاحبزادے مولوی سیف الرحمان نے بھی فتویٰ جہاد پر دستخط کئے تھے۔ وہ کابل چلے گئے اور پھر وطن واپس نہ آئے ۱۸؎ بقیہ تینوں صاحبزادے مولوی محمد، مولوی عبداللہ اور عبدالعزیز گرفتار ہوئے اور بعد خرابی بسیار ان لوگوں کی رہائی عمل میں آئی۔ مشہور احراری لیڈر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ابن مولوی محمد ذکریا، مولوی محمد کے پوتے تھے۔ ۱۹؎

ایک مولوی رحمت اللہ کے بھی دستخط ہیں اور اس وقت دہلی میں "رحمت اللہ" نام کے دو عالم دین تھے۔ ایک مولانا رحمت اللہ کیرانوی ۲۰؎ اور دوسرے مولانا رحمت اللہ دہلوی۔ آخر الذکر دہلی کے نامور عالم اور صاحبِ فتویٰ تھے۔ اس زمانے کے اکثر فتوؤں پر مولانا رحمت اللہ دہلوی کی مہر ملتی ہے۔ مولوی رحمت اللہ کیرانوی نے جنگ آزادی میں قائدانہ حصہ لیا تھا۔ شمس العلماء ذکاء اللہ لکھتے ہیں ۲۱؎

"سب سے اوّل مولوی رحمت اللہ کیرانہ سے اس ٹوہ میں آئے کہ دہلی میں جہاد کی کیا صورت ہے۔ وہ بڑے عالم فاضل تھے عیسائی مذہب کے رد میں صاحبِ تصنیف تھے۔ وہ قلعہ کے پاس مولوی محمد حیات کی مسجد میں اُترے"۔

مولوی رحمت اللہ کیرانوی کا دہلی سے برابر تعلق رہا۔ عبداللطیف کے بیان کے مطابق مولوی رحمت اللہ دو سو اہل نجیب آباد کے ہمراہ دہلی پہنچے ۲۲؎۔ اور ان کا دہلی سے رابطہ رہا۔

مولوی امداد صابری صاحب نے دہلی کی جامع مسجد کے واگزاشت ہونے کے سلسلے میں ۱۸۶۰ء کے ایک فتوے کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ "یہ دستخط مولوی رحمت اللہ کیرانوی نہیں بلکہ مولوی رحمت اللہ دہلوی کے ہیں"۔

مولوی امداد صابری لکھتے ہیں: ۲۳؎

"اس فتوے کے دستخط کرنے والے مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نہیں تھے بلکہ دہلی کے مولانا رحمت اللہ صاحب تھے۔ لیکن اس فتوے کے مرتب کرنے میں مولانا رحمت اللہ صاحب (کیرانوی ؟) شامل تھے"۔

فتویٰ مرتب کرنے میں شمولیت کے کیا معنی۔ اگر ان کے دستخط

نہ تھے۔ ہمارے خیال میں یہ دستخط مولوی رحمت اللہ کیرانوی ہی کے ہیں۔ ایک بات اور قابل توجہ ہے کہ ۱۸۷۰ء کے جس فتوے کا حوالہ مولوی امداد صابری صاحب نے دیا ہے اس میں دستخط کے الفاظ "محمد رحمت اللہ" ہیں اور فتویٰ جہاد میں صرف "رحمت اللہ" ہیں۔

دوسرے گروہ میں وہ حضرات ہیں جن کے دستخط تو فتوے پر ہیں مگر قرائن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اس تحریک میں دل سے شریک نہیں تھے بلکہ اس وقت کے حالات کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اس فتوے پر مجبوراً دستخط کئے تھے۔ ان لوگوں کی سرگرمیوں کا دائرہ درس و تدریس تک محدود تھا اور عملی سیاست سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔

۱۔ شیخ الکل شمس العلما میاں محمد نذیر حسین (۲) مولوی حفیظ اللہ خاں (۳) شمس العلما مولوی ضیاء الدین "ان بعض حضرات" میں سے ہیں۔

مولوی میاں نذیر حسین بن جواد علی، سورج گڑھ (بہار) میں ۱۲۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ علمائے دہلی سے تحصیل علم کیا۔ اہلحدیث کے مقتدا تھے ۲۳۔ افتخار عالم مارہروی لکھتے ہیں۔ ۲۴

"آفت یہ ٹوٹ پڑی کہ دوران بغاوت جنرل بخت خاں نے ان مولویوں سے زبردستی جہاد کے فتوے پر مہریں کرالیں۔"

شمس العلما ذکاء اللہ لکھتے ہیں ۲۵

"جن مولویوں نے فتوے پر مہریں کی تھیں وہ کبھی پہاڑی پر انگریزوں سے لڑنے نہیں گئے۔ مولوی نذیر حسین جو وہابیوں کے مقتدا اور پیشوا تھے ان کے گھر میں تو ایک میم چھپی بیٹھی تھی۔"

مولوی نذیر حسین کے اس طرز عمل کی جہادیوں کو بھی خبر لگ گئی تھی اور وہ ان کے درپے ہوئے۔ مگر بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی فہمائش سے یہ بلا ٹل گئی۔ ہم عصر وقائع نگار عبداللطیف لکھتے ہیں۔ ۲۶

"خسرو بیچ آرائی ایشاں (جہادیاں)، برآشفت و بہ شہزادگان فرمود کہ مولوی سید محمد نذیر حسین را کہ از شدت ناکساں پژولیدہ حال بودہ است دارہانند و غلبہ بے جا ازاں جا بردارند۔"

مولوی نذیر حسین کو اس صلے میں ایک ہزار تین سو روپے انعام ملا۔ اس سلسلہ میں ایک سرٹیفکیٹ میاں نذیر حسین کی سوانح عمری سے نقل کیا جاتا ہے۔ ۲۷

دہلی۔ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۸۷۷ء

ڈبلیو۔ جی۔ واٹر فیلڈ قائم مقام کمشنر دہلی

"مولوی نذیر حسین اور ان کے بیٹے مولوی شریف حسین اور ان کے دوسرے گھر والے غدر کے زمانے میں مسز لیسنس کی جان بچانے میں ذریعہ ہوئے۔ حالت مجروحی میں انہوں نے ان کا علاج کیا۔ ساڑھے تین مہینے اپنے گھر میں رکھا اور بالآخر دہلی کے برٹش کیمپ میں ان کو پہنچا دیا۔"

"وہ کہتے ہیں کہ ان کے انگریزی سرٹیفکیٹ ایک آتشزدگی میں جو ان کے مکان میں واقع دہلی میں ہوئی تھی جل گئے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ان کا کہنا بہت ہی قرین امکان ہے۔ غالباً ان کو جنرل چیمبرلین، جنرل برن اور کرنل سانڈرز وغیرہم سے سرٹیفکیٹ ملے تھے۔ مجھ کو وہ واقعات اور مسز لیسنس کا کیمپ میں آنا اچھی طرح یاد ہے۔ ان لوگوں کو اس خدمت کے صلے میں مبلغ دو سو اور چار سو روپے ملے تھے۔ مبلغ سات سو روپے بابت تاوان منہدم کئے جانے مکانات کے ان لوگوں کو عطا کئے گئے تھے۔ یہ لوگ ہماری قوم سے حسن سلوک اور الطاف کے مستحق ہیں۔"

مسز لیسنس کی جان بچانے میں بقول افتخار عالم مارہروی شمس العلما ڈپٹی نذیر احمد دہلوی بھی شامل تھے اور اس انگریز خاتون کو وہی اٹھا کر لائے تھے اور جنگ آزادی کے بعد ڈپٹی نذیر احمد ڈپٹی انسپکٹر مقرر ہوئے تو میاں نذیر حسین کے صاحبزادے مولوی شریف حسین (ف ۱۳۰۴ھ) نے اس کو اپنے باپ کا حق سمجھا۔ مولوی افتخار عالم مارہروی لکھتے ہیں۔ ۲۹

"مولوی شریف حسین نے دعویٰ کیا کہ مولوی نذیر احمد صاحب کو جو نوکری مل گئی ہے وہ میرے باپ مولوی نذیر حسین صاحب کا حق ہے —— ان لغو باتوں کا نتیجہ ہوا کہ دونوں خاندانوں میں تا ایں دم صفائی نہیں ہوئی۔"

شمس العلما شیخ ضیاء الدین دلی کالج کے تعلیم یافتہ، نارمل سکول کے مدرس، دلی کالج کے عربی کے پروفیسر اور پھر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے۔ ان کے والد داروغہ شیخ محمد بخش تحصیل دہلی کے رہنے والے اور خاص دہلی میں تھانے دار تھے۔ مولوی بشیر الدین لکھتے ہیں۔ ۳۰

"یہ خاندان گورنمنٹ کا خیرخواہ تھا۔ غدر میں دھیرج کی پہاڑی پر خبر رسانی کرتے تھے جس کے صلے میں کچھ اراضی انعام میں ملی ہوئی ہے۔ مولوی صاحب (ضیاء الدین) مولوی مملوک علی

نانوتوی مشہور عالم کے شاگرد تھے اور مفتی صدر الدین خاں صدر الصدور سے بھی فارسی تحصیل کی تھی۔ ایام غدر میں دہلی کالج میں مدرس تھے۔ ۱۳۲۶ھ میں شمس العلما ضیاء الدین کا حجاز میں انتقال ہوا۔ مولوی حفیظ اللہ خاں بھی اسی زمرے میں شامل ہیں۔ انہوں نے بھی مجبوراً مہر کر دی تھی وہ میاں نذیر حسین کے سمدھی اور شاگرد تھے۔ ان کی صاحبزادی مولوی شریف حسین کو منسوب تھیں۔ وہ بھی مشہور اہل حدیث عالم تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ان پر کوئی دارو گیر نہیں ہوئی بلکہ وہ ڈپٹی نذیر احمد کے خسر مولوی عبد القادر (ابن مولوی عبد الخالق) کی مستورات کو دہلی سے نکال کر دیہات میں لے گئے۔ ۳ رمضان ۱۳۲۲ھ کو ان کا انتقال ہوا۔ میاں نذیر حسین اور مولوی حفیظ اللہ خاں وغیرہ کے متعلق سر سید احمد خاں لکھتے ہیں۔ [۳۱]

"جن لوگوں کی مہر اس فتویٰ پر چھاپی گئی ہے۔ ان میں سے بعضوں نے عیسائیوں کو پناہ دی اور ان کی جان اور عزت کی حفاظت کی۔ ان میں سے کوئی شخص لڑائی پر نہیں چڑھا۔ مقابلے پر نہیں آیا اور اگر واقع میں وہ ایسا ہی سمجھتے جیسا کہ مشہور ہے تو یہ باتیں کیوں کرتے۔"

ان ہی علما کے متعلق جماعت اہل حدیث کے وکیل اور اشاعۃ السنہ لاہور کے ایڈیٹر مولوی ابو سعید محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں۔ [۳۲]

"مولوی سرفراز علی نے بحکم بخت خاں وہ فتویٰ پڑھ کر سنایا۔ جب وہ فتویٰ تمام ہوا تو بخت خاں وغیرہ باغی افسروں نے علما کو حکم دیا کہ اس فتوے پر اپنے دستخط کر دیں ورنہ سب قتل کر دیے جائیں گے۔ پس سب نے بخوف جان کرہاً و جبراً دستخط کر دیے اور اگر وہ دستخط نہ کرتے تو اس وقت سب تلوار سے قتل کئے جاتے یا توپ سے اڑائے جاتے ہمارے اس دعوے پر کہ انہوں نے جبراً دستخط کئے ہیں، دلی ارادے سے نہیں کئے۔ ایک بڑی روشن دلیل یہ ہے کہ وہ لوگ دستخط کر کے پھر گھر سے باہر نہ نکلے اور اس جہاد میں شریک نہ ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب گورنمنٹ انگلشیہ کا دہلی پر دوبارہ تسلط ہوا تو گورنمنٹ نے ان دستخط کرنے والے مولویوں کو بری الذمہ قرار دیا۔ نہ کسی کو پھانسی دی نہ کسی کا گھر لوٹا۔ باوجودیکہ باغیوں کے مددگاروں کو پھانسی دینا اس وقت کا عام رول تھا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ان ہی مجبور ہو کر دستخط کرنے والے مولویوں سے مولوی حفیظ اللہ خاں اور مولوی نذیر حسین اور ان کے بیٹے مولوی شریف حسین اور ان کے شاگردان، مولوی محمد صدیق پشاوری اور مولوی عبد اللہ مرحوم غزنوی نے (جن کی اولاد و قبائل اب امرتسر میں آباد ہیں) ایک میم کو زخمی پاکر امن دیا اور اپنے گھر میں لے جا کر اس کے زخموں کا علاج کر کے جب موقع پایا۔ سرکاری کیمپ میں پہنچا دیا۔"

مولوی سید محبوب علی بن مصاحب علی اس دور کی نامی گرامی شخصیت ہیں۔ وہ ۱۲۰۰ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبد العزیز اور شاہ عبد القادر کے تلمیذ رشید تھے۔ متعدد رسالے ان سے یادگار ہیں۔ سید احمد شہید کے ہمراہ جہاد کرنے کی غرض سے یاغستان پہنچے مگر وہاں کے حالات دیکھ کر انہوں نے اختلاف کیا اور واپس چلے آئے۔ ۱۸۵۷ء کے فتویٰ جہاد کے متعلق سر سید احمد خاں لکھتے ہیں۔ [۳۳]

"مولوی محبوب علی صاحب وہ شخص تھے جن کو ۱۸۵۷ء میں باغیوں کے سرغنہ بخت خاں نے عین ہنگامہ غدر میں طلب کیا اور ان سے یہ درخواست کی کہ آپ اس زمانے میں انگریزوں پر جہاد کرنے کی نسبت ایک فتوے پر دستخط کریں۔ مولوی محبوب علی صاحب نے صاف انکار کیا اور بخت خاں سے کہا کہ ہم مسلمان گورنمنٹ انگریزی کی رعایا ہیں۔ ہم اپنے مذہب کی رو سے اپنے حاکموں سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور علاوہ بریں یہ ہوا کہ جو ایذا بخت خاں اور اس کے رفیقوں نے انگریزوں کی میموں اور بچوں کو دی تھیں۔ اس کی بابت بخت خاں کو سخت لعنت ملامت کی۔"

حقیقت امر یہ ہے کہ سید محبوب علی نے دستخط کئے تھے مگر دارو گیر میں نہیں آئے بلکہ امیر الروایات میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ ان کو کچھ انعام بھی ملا تھا جسے لینے سے انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ [۳۴] افسوس کہ مولوی محبوب علی کے بارے میں کوئی مستند ماخذ موجود نہیں۔ سر سید احمد خاں نے مصلحت کے قلم سے تصویر کشی کی ہے اور امیر الروایات پر پورے طور سے اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

مولوی محبوب علی کا ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ کو انتقال ہوا۔ مفتی صدر الدین آزردہ، دہلی کے نامی گرامی عالم، مفتی اور

صدر الصدور تھے۔ فتوے پر مہر کرنے کے جرم میں ان پر مقدمہ چلا۔ نصف جائداد اور عظیم الشان کتب خانہ ضبط ہوا۔ مفتی صاحب کے دستخط کے ساتھ کوئی عبارت موجود نہیں ہے مگر مؤلف خم خانہ جاوید لکھتے ہیں:۔ [۳۵]

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد آپ بھی مختلف مصائب اور دقتوں میں پھنس گئے تھے۔ اس موقع کا ایک علمی لطیفہ زبان زد خاص و عام ہے۔ یعنی مفسدوں نے آپ سے جواز جہاد کے فتوے پر زبردستی مہر کرانی چاہی تو آپ نے مہر کے ساتھ یہ الفاظ بھی لکھ دیے۔ "فتوے بالجبر" مفسدوں نے اس لفظ کو بالخیر سمجھ کر چھپا چھوڑ دیا مگر جب بعد از فتح دہلی دفتر سے وہ کاغذ برآمد ہوا تو سرکار نے پکڑا اور جواب طلب کیا۔ آپ نے فتویٰ بالجبر ثابت کر کے رہائی پائی۔

مفتی آزردہ کا انتقال ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ (۱۶ جولائی ۱۸۶۸ء) کو ہوا۔ [۳۶]

تیسرے گروہ میں وہ لوگ ہیں کہ جن کے حالات سے ہم کسی قدر واقف ہیں اور بعض کتب تاریخ اور تذکروں میں ان کا ذکر بھی مل جاتا ہے جیسے سید احمد علی امام جامع مسجد تھے اور ان کے فرزند سید محمد تھے۔ سید محمد، سید سر احمد خاں کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اسی طرح مولوی کریم اللہ (ف ۱۲۹۱ھ ۱۸۷۴-۷۵ء) بھی دہلی کے مشہور واعظ و عالم تھے۔ [۳۷]

مفتی رحمت علی خاں شاہی مفتی اور مشہور عالم تھے۔ سعید الدین کے متعلق رضی الدین بدایونی (ف ۱۹۲۵ء) نے اپنی کتاب کنز التاریخ (تاریخ بدایون) میں لکھا ہے کہ یہ ان کے والد مولوی حکیم سعید الدین المتخلص بہ کامل کے دستخط ہیں۔ اس زمانے میں یہ خاندان دہلی میں سکونت پذیر تھا اور شاہی معافی داروں میں تھا۔ معلوم نہیں ان لوگوں پر انگریزی سرکار کی دارو گیر ہوئی یا نہیں؟ الا حکیم سعید الدین کے۔ [۳۸]

ان کے علاوہ بقیہ حضرات کے حالات نہیں ملتے کہ وہ کس درجے کے لوگ تھے اور ۱۸۵۷ء کے بعد ان کا کیا حشر ہوا۔

حواشی

[۱] سر سید احمد خاں۔ اسباب بغاوت ہند (مقدمہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی)، کراچی ۱۹۵۷ء، ص ۱۰۷

[۲] ذکاء اللہ، شمس العلماء، تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ (دہلی ۱۹۰۴ء) ص ۶۶۵ - ۶۷۶)

[۳] ذکاء اللہ نے مجاہدین کے لیے نازیبا اور ناشائستہ الفاظ استعمال کئے ہیں جو حذف کر دیے گئے۔

[۴] عبد الشاہد خاں شروانی، باغی ہندوستان (بجنور ۱۹۴۷ء) ص ۱۵۶۔

[۵] لطف کی بات یہ ہے کہ عبد الشاہد خاں شروانی نے حوالہ دیا ہے۔ "تاریخ ذکاء اللہ" گویا یہ ساری کیفیت "تاریخ ذکاء اللہ" کی بنیاد پر بیان کی گئی ہے۔ حالانکہ آخری جملہ "دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی" "تاریخ ذکاء اللہ" سے مقتبس ہے۔

[۶] دہلی کی جامع مسجد میں اتنا اہم فتویٰ مرتب ہوا اور اس پر مفتی صدر الدین کے علاوہ دہلی کے کسی ممتاز و معروف عالم کے دستخط نہ ہوں۔ یہ بات غور طلب ہے۔

[۷] حکیم محمود برکاتی صاحب نے "فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ اس فتویٰ کے علاوہ کوئی اور فتویٰ ہوگا جس پر مولانا فضل حق خیر آبادی کے دستخط ہوں گے۔ ظاہر ہے یہ ظن و تخمین کی بات ہے (فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون۔ برکات اکیڈیمی ۱۹۷۵ء) ص ۶۸-۷۱

[۸] فتوے کے متن کے لیے ملاحظہ ہو خورشید مصطفیٰ رضوی، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء (دہلی ۱۹۵۹ء) ص ۵۶۸، ۵۶۹- امداد صابری ۱۸۵۷ء کے مجاہد شعرا (دہلی ۱۹۵۹)، ص ۱۴۸- ۱۵۰، عتیق صدیقی، ۱۸۵۷ء اخبار اور دستاویزیں (دہلی ۱۹۶۶ء) ص ۱۹۸- ۱۹۹

[۹] کمال الدین حیدر حسینی، قیصر التواریخ جلد دوم، (لکھنؤ ۱۸۹۶ء)، ص ۴۵۰۔

[۱۰] احمد علی خاں شوق، تذکرہ کاملان رام پور (دہلی)، ص ۱۰۔

[۱۱] رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ محمد ایوب قادری) کراچی ۱۹۶۱، ص ۳۱۔

[۱۲] ذکاء اللہ، ص ۶۷۵

[۱۳] محمد عمر سراج الحق، ریاض الانوار، جلد اول (دہلی ۱۳۰۰ھ) ص ۸۹۔

[۱۴] تفصیل کے لیے دیکھئے، محمد اکبر علی صوفی، سلیم التواریخ (جالندھر ۱۹۱۹ء)، ص ۷۰- ۷۲- ۷۴ - عزیز الرحمن جامعی، رئیس الاحرار [illegible] الرحمن لدھیانوی اور ہندوستان کی جنگ آزادی (دہلی ۱۹۶۱ء)

ص ۵۵ و مابعد

۱۵ غلام رسول مہر، جنرل سر عمر حیات خاں ٹوانہ (لاہور ۱۹۶۵ء)، ص ۱۵۹۔

۱۶ بحوالہ عزیز الرحمٰن جامعی، ص ۵۶۔

۱۷ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، عبداللطیف، (مرتبہ خلیق احمد نظامی) (دہلی ۱۹۵۸ء)۔ ص ۸۸۔

۱۸ عزیز الرحمٰن، ص ۶، ۸، محمد اکبر علی صوفی۔ ص ۴۷۲ - ۴۷۳۔

۱۹ مولوی عبدالقادر کے صاحبزادگان کے لیے دیکھئے عزیز الرحمٰن جامعی ۱۵ - ۱۸، محمد اکبر علی صوفی، ص ۴۷۴۔ علی اصغر چودھری، قوم ارائیں (لاہور ۱۹۶۶ء)، ص ۳۵۴

۲۰ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے حالات نہایت تفصیل سے مولانا امداد صابری نے "آثار رحمت" کے عنوان سے لکھے ہیں۔ (دہلی ۱۹۶۶ء)

۲۱ ذکاء اللہ، ص ۶۷۶۔

۲۲ عبداللطیف، ص ۷۸۔

۲۳ امداد صابری، ص ۲۲۲، ۲۲۹۔

۲۴ دیکھئے رحمٰن علی، ص ۵۹۵۔

۲۵ افتخار عالم مارہروی، حیات النذیر (دہلی ۱۹۱۲ء) ص ۴۷۔

۲۶ ذکاء اللہ، ص ۶۷۶، افتخار عالم مارہروی، ص ۳۹،

۲۷ عبداللطیف، ص ۱۰۴۔

۲۸ فضل حسین، الحیات بعد الممات (طبع دوم کراچی ۱۹۵۹ء)، ص ۳۹ - ۴۸

۲۹ افتخار عالم مارہروی، ص ۴۰۔

۳۰ بشیر الدین، واقعات دار الحکومت دہلی، ج دوم (آگرہ ۱۹۱۹ء) ص ۱۶۹۔

۳۱ اسباب بغاوت ہند، ص ۱۰۰۔

۳۲ اشاعۃ السنہ لاہور، ج ۵ نمبر ۸ بحوالہ آثار رحمت، ص ۲۲۴ - ۲۲۸

۳۳ سر سید احمد خاں، ہنٹر پر ہنٹر (لاہور ۱۹۴۹ء)

۳۴ امیر شاہ خاں (مرتبہ اشرف علی تھانوی)، ارواح ثلاثہ (سہارن پور ۱۳۷۰ھ)، ص ۲۲۴۔

۳۵ لالہ سری رام، خمخانہ جاوید، حصہ اول (دہلی ۱۹۰۸ء) ص ۵۴۔

۳۶ رحمان علی (اردو ترجمہ)، ص ۲۴۷، ۲۴۹۔

۳۷ ایضاً، ص ۲۹۷۔

۳۸ رضی الدین بسمل بدایونی۔ کنز التاریخ، (بدایون ۱۹۰۷ء) ص ۳۵۰ - ۳۵۲۔

بقیہ: تعلیم اور قرآن

۶۔ اکنامکس (علم اقتصادیات)
۷۔ مکینکس (علم جرثقیل)
۸۔ اسٹرانومی (علم ہیئت)
۹۔ اناٹمی (علم تشریح)
۱۰۔ فزیالوجی (علم افعال الاعضاء)
۱۱۔ سرجری (علم جراحی)
۱۲۔ مڈیسن (علم طب)

روحانی علوم: روحانی علوم میں علم کلام اور الہیات کے تمام مسائل شامل ہیں جیسے (۱) خدا کا وجود ۲۔ خدا کی توحید ۳۔ خدا کی صفات ۴۔ نبوت ۵۔ معاد ۶۔ عبادات و معاملات ۷۔ اخلاق و آداب ۸۔ حقوق و فرائض (۹) تمدن و معاشرت وغیرہ وغیرہ۔ ان مسائل پر عقلی و نقلی حیثیت سے نظر کی جاتی ہے اور تمام ادیان کے خیالات سے بھی بحث کی جاتی ہے۔ غرض کہ قرآن مجید نہایت تاکید کے ساتھ تمام علوم کی تحصیل کا حکم دیتا ہے اور دنیوی اور مادی علوم کو دینی و روحانی علوم کا وسیلہ اور معرفتِ الٰہی کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کا فرض ہے کہ اپنی حالت اور حیثیت اور طبعی مناسبت کے لحاظ سے حتی الامکان دونوں قسم کے علوم حاصل کرکے دنیا و عقبیٰ میں کامیاب ہو۔ مگر طرح طرح کی لغزشوں سے محفوظ رہنے کی غرض سے یہ ضروری ہے کہ علوم کا مطالعہ کتاب مبین (قرآن) کی روشنی میں کیا جائے۔ کیونکہ یہی وہ بے عدیل قندیل ہے جس کی مدد سے دُنیا کی تاریک اور دشوار گزار گھاٹی کو عبور کر سکتے ہیں: قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس نور اور کتاب روشن آ چکی ہے)۔ (مائدہ ۵: ۱۸)

بشکریہ ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ ملتان

ثمرات الاوراق

(مسلسل)

انتخاب لاجواب

خطیب اسلام مولانا محمد اجمل صاحب مدظلہٗ لاہور

طریقہ فال گرفتن از قرآن مجید

عبدالرحیم خانِ خاناں نے قرآن مجید سے فال دیکھنے کا طریقہ یک یادگاری قرآن مجید کے آخر میں درج کیا ہے۔

باسمہٖ سبحانہٗ : طریقِ فالِ جلالی گرفتن این است کہ اوّل یک نوبت فاتحۃ الکتاب بخواند و سہ مرتبہ سورہ اخلاص و آیۃ الکرسی تا خالدون بخواند بعد ازاں دہ کرۃ درود فرستد۔ بعد ازاں مصحف مجید را در دست گرفتہ و این آیت وعندہٗ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو۔ یعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقۃ الا یعلمھا۔ ولا حبۃ فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ (سورۃ) را خواندہ مصحف را بکشاید و کلمہ جلیلہ اللہ را کہ در صفحتین باشد بشمارد و ہر چہ بشمار آید۔ سہ عدد اسم مبارک اسم اللہ را ازاں بیفزاید۔ ہر قدر کہ جمع شود اورا بشمارد و بعد از اتمام شمار ہر جا کہ رسد از صفحہ یمنی سطور بشمارد۔ ہر جا کہ شمار تمام شود معنے آیت کہ شمار سطر بآنجا منتہی شدہ باشد ملاحظہ معنی آیت نمودہ حکم آں را بمنزلہ وحی بداند۔ (انتہی) شب پنجشنبہ یازدھم ذی قعدہ ۱۰۴۲ھ۔ حررہ عبدالرحیم بن محمد بیرم عفا عنہ در قصبہ کھرکون من مضافات بیجانگر۔

نوٹ: حضرت مولانا تھانوی نے اصلاحِ انقلاب امّت صــ پر قرآن مجید سے فال لینے کو ممنوع قرار دیا ہے۔

مسیلمہ کذاب کی شعبدہ بازی

انڈے کو تیز سرکہ میں ڈالتا تھا اور انڈا اگر دیر تک سرکہ میں پڑا رہے۔ تو اس کے اوپر کا چھلکا نرم ہو جاتا ہے اور اگر اس کو دبا یا جائے تو وہ پتلا اور لمبا ہو جاتا ہے جب وہ انڈے کو اپنی مرضی کے مطابق بڑھا لیتا تو اس کو ایک تنگ منہ کی شیشی میں ڈال دیتا۔ چنانچہ اندر جا کر انڈا جب خشک ہوتا اور آہستہ آہستہ وہ قدرتی انڈے کی طرح گول ہو جاتا تو وہ بوتل بنو حنیفہ کے سردار مجاعہ اور اپنے دوستوں کے سامنے پیش کرتا اور کہتا یہ ہے میرا معجزہ جو خدا کی طرف سے میری نبوت کی دلیل ہے۔ گول انڈا تنگ دہن شیشی میں خدا نے میرے ہاتھ سے ڈلوایا ہے۔ یہ دیکھ کر مجاعہ اس پر ایمان لے آیا۔ خذلھم اللہ تعالےٰ۔

مسیلمہ کذاب مردود کا قرآنی نمونہ

۱۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ خَلَقَ النِّسَاءَ اَفْوَاجًا۔ نَنُوْلِجُھُنَّ اِیْلَاجًا ۃٗ (معاذ اللہ)

(ماخوذ از اعجاز القرآن شیخ الاسلام عثمانی صــ۳۳)

۲۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ فَعَلَ بِالْحُبْلٰی۔ اَخْرَجَ مِنْھَا نَسَمَۃً تَسْعٰی بَیْنَ شَرَاسِیْفَ وَحَشٰی ٥

(اعجاز القرآن لابی سلیمان خطابی صــ۵۰)

۳۔ اَلْبَعُوْضُ وَمَا الْبَعُوْضُ۔ وَمَا اَدْرٰکَ مَا الْبَعُوْضُ لَہٗ مَنْسِفٌ عَضُوْضٌ فِی اللِّیْ مَاءٍ یَخُوْضُ۔ فَھُوَ لِلْفِیْلِ عَرُوْضٌ۔ (اعجاز القرآن خطابی صــ۶۳)

۴۔ یا ایھا المومنون المتقون۔ لنا نصف الارض ولقریش نصفھا ولکن قریشا قوم یبغون۔

۵۔ والشاء والوانھا واعجبھا السود والبانھا۔ والشاۃ السوداء واللبن الابیض انہ لعجب محض وقد حرم المذق فما لکم لا یمجعون۔

(ماخوذ از اعجاز القرآن مصطفےٰ صادق رافعی صــ۱۹۸)

(باقی ۳۲ پر)

اعمال کی قسمیں

قاری عبدالکریم میلسوی

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اعمال چھ قسم کے ہیں اور آدمی چار قسم کے ہیں۔

اعمال کی چھ قسمیں یہ ہیں:

کہ دو عمل تو واجب کرنے والے ہیں اور دو عمل برابر برابر ہیں۔ اور ایک عمل دس گنا ثواب رکھتا ہے۔ اور ایک عمل سات سو گنا ثواب رکھتا ہے۔

جو واجب کرنے والے ہیں وہ تو یہ ہیں کہ جو شخص اس حال میں مرے کہ شرک نہ کرتا ہو۔ وہ جنت میں داخل ہو کر رہے گا۔ اور جو اس حالت میں مرے کہ شرک کرتا ہو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ اور برابر سرابر یہ ہیں کہ جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور عمل نہ کر سکے۔ اس کو ایک کا ثواب ملتا ہے۔

اور جو کوئی گناہ کرے اس کو ایک بدلہ ملتا ہے۔

اور جو شخص کوئی نیکی کرے اس کو دس گنا ثواب ملتا ہے۔

اور جو اللہ کے راستے میں خرچ کرے اس کو ہر خرچ کا سات سو گنا ثواب ملتا ہے۔

اور آدمی چار طرح کے ہیں:

ایک وہ لوگ ہیں جن پر دنیا میں بھی وسعت ہے، آخرت میں بھی۔

دوسرے وہ جن پر دنیا میں وسعت، آخرت میں تنگی۔

تیسرے وہ جن پر دنیا میں تنگی آخرت میں وسعت۔

چوتھے وہ جن پر دنیا میں بھی تنگی اور آخرت میں بھی تنگی۔

(کنز العمال)

کہ یہاں کے فقر کے ساتھ اعمال بھی خراب ہوئے جن کی وجہ سے وہاں بھی کچھ نہ ملا — دنیا و آخرت دونوں ہی برباد گئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ چند آدمی جنت میں داخل نہ ہوں گے۔

ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو اپنے دئے ہوئے پر احسان جتائے۔

دوسرا وہ جو والدین کی نافرمانی کرے۔

تیسرا وہ ہے جو شراب پیتا رہتا ہو۔ وغیرہ وغیرہ

امام راغبؒ نے لکھا ہے کہ دنیوی فلاح ان خوبیوں کو حاصل کر لینا ہے۔ جن سے دنیوی زندگی بہترین بن جائے اور وہ بقاء اور غنا اور عزت ہیں۔

اور اخروی فلاح چار چیزوں میں ہے۔

ایک وہ بقاء جس کو کبھی فنا نہ ہو۔

دوسرا وہ تونگری جس میں فقر کا شائبہ نہ ہو۔

تیسرا وہ عزت جس میں کسی قسم کی ذلت نہ ہو۔

چوتھا وہ علم جس میں جہل کا دخل نہ ہو۔

اور جب فلاح کو مطلق بولا گیا تو اس میں دین و دنیا کی فلاح آگئی۔

بچوں کا صفحہ

دین کے لیے قربانی

محمد فرخ گلزار، محلہ گرڈھا، چنیوٹ

• حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ جو کہ مشہور صحابی تھے اور مسجد نبوی کے مؤذن رہے۔ پہلے پہل ایک کافر کے غلام تھے۔ اسلام لے آئے۔ اس وقت ان کو سخت سے سخت اذیتیں پہنچائی جاتی تھیں۔ امیہ بن خلف جو مسلمانوں کا سخت ترین دشمن تھا۔ ان کو سخت گرمی میں دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر سیدھا لٹا کر ان کے سینہ پر پتھر کی بڑی چٹان رکھ دیتا تھا۔ تاکہ وہ حرکت نہ کر سکیں۔ اور اسی حال میں مرجائیں۔ اور زندگی چاہیں۔ تو اسلام سے ہٹ جائیں۔ مگر وہ اس حالت میں بھی اَحَد اَحَد کہتے تھے۔ یعنی معبود ایک ہے۔ رات کو زنجیروں میں باندھ کر کوڑے لگائے جاتے۔ اور اگلے دن ان زخمیوں کو گرم زمین پر ڈال کر اور زیادہ زخمی کیا جاتا۔ تکلیف دینے والے اکتا جاتے۔ کبھی ابوجہل کا نمبر آتا کبھی امیّہ بن خلف کا، کبھی اوروں کا اور ہر شخص اس کی کوشش کرتا کہ تکلیف دینے میں زور ختم کر دے لیکن وہ انہیں اپنے مقصد سے ہٹا نہ سکے۔ بالآخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں خرید کر آزاد فرما دیا۔

• حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تکلیف کے خیال سے فرمایا کہ اپنے اسلام کو ابھی ظاہر نہ کرنا چپکے سے اپنی قوم میں چلے جاؤ۔ جب ہمارا غلبہ ہو جائے اس وقت چلے آنا۔

انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس کلمۂ توحید کو ان بے ایمانوں کے بیچ میں چلّا کر پڑھوں گا۔ چنانچہ اسی وقت مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور بلند آواز سے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ پڑھا۔

پھر کیا تھا چاروں طرف سے لوگ اٹھے اور اس قدر مارا کہ زخمی کر دیا۔ مرنے کے قریب ہو گئے لیکن باز نہ آئے۔ کیونکہ: ؎

"یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے"

• حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے ماں باپ کو بھی سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ مکہ کی سخت گرم اور ریتلی زمین میں ان کو اذیت دی جاتی۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وہاں سے گزر ہوتا تو صبر کی تلقین فرماتے اور جنت کی بشارت فرماتے۔ آخر ان کے والد اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ ظالموں نے مرنے تک چین نہ لینے دیا۔ اور ان کی والدہ حضرت سمیہؓ کے زیر ناف ابوجہل ملعون نے برچھا مارا جس سے وہ شہید ہو گئیں مگر اسلام سے نہ ہٹیں۔ حالانکہ وہ بوڑھی اور ضعیف تھیں مگر اس ظالم نے کسی چیز کا بھی خیال نہیں کیا۔

• حضرت خبابؓ بن الارت بھی انہیں مبارک ہستیوں سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے اسلام کی خاطر سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کیں۔ جب مسلمان ہوئے تو ان کو بہت زیادہ تکلیفیں دی گئیں۔ لوہے کی زرہ پہنا کر انہیں دھوپ میں ڈال دیا جاتا۔ جس سے گرمی اور تپش کی وجہ سے پسینوں پر پسینے بہتے اکثر اوقات بالکل سیدھا ان کو گرم ریت پر لٹا دیا جاتا جس کی وجہ سے کمر کا گوشت تک گل کر گر جاتا۔ یہ ایک عورت کے غلام تھے۔ اس کو خبر پہنچی کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملتے ہیں تو وہ لوہے کو گرم کر کے ان کے سر کو داغ دیتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضرت خبابؓ سے ان کی تکالیف کی تفصیل دریافت کی جو ان کو پہنچائی گئی تھیں تو انہوں نے عرض کیا کہ میری کمر دیکھیں۔ حضرت عمرؓ نے کمر دیکھ کر فرمایا کہ ایسی کمر تو کسی کی دیکھی ہی نہیں۔ انہوں نے عرض کیا۔ مجھے آگ کے انگاروں پر ڈال کر گھسیٹا گیا،

(باقی ۲۴ پر)

تعارف وتبصرہ

ھدیۃ المھدیین فی آیۃ خاتم النبیین

۱۲۰ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ہے۔ رسالہ کی زبان عربی ہے۔ اور اس پر حضرت امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری، مولانا مفتی عزیز الرحمن دیوبندی، مولانا حبیب الرحمن عثمانی اور مولانا اعزاز علی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے یگانہ روزگار اہل علم و نظر بزرگوں کی تقاریظ موجود ہیں۔ ان اساطین علم و واقفان اسرار شریعت کی آراء عالی کے بعد کتاب کی معنوی افادیت سے متعلق کچھ عرض کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ اس لیے ہم محض تعارف کے طور پر اتنا عرض کریں گے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے جھوٹے دعاوی کے بعد اگلا قدم یہ اٹھایا کہ اپنے دعاوی کو ثابت کرنے کے لیے قرآن و حدیث کے ارشادات کو تختۂ مشق بنا کر سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کی جو ناکام کوشش کی تھی اس کے تار و پود بکھیرنے کے لیے اہل علم نے جو کام کیا زیر تبصرہ رسالہ اس کی ایک کڑی تھی۔

یوں تو مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے سبھی اکابر و اصاغر نے دشمنان دین و ملت کے خلاف ہر سٹیج پر مؤثر کام کیا۔ لیکن حضرت الامام کشمیری قدس سرہٗ نے فتنۂ قادیانیت کے خلاف جو بھرپور سعی کی وہ انہی کا حصہ ہے۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ خود اس سلسلہ میں متعدد کتابیں لکھیں بلکہ اپنے شاگردوں کو بھی اس طرف متوجہ فرمایا اور عوامی محاذ پر مجلس احرار اسلام کے بزرگوں (کو) توجہ دلائی۔

مفتی صاحب مرحوم کا شاہ صاحب سے جو تعلق ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں اور اس کتاب پر شاہ صاحب کی رائے گرامی اس تعلق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

مشہور آیت خاتم النبیین کے متعلق مفصل و مدلل بحث اور اس سلسلہ میں قادیانی تاویلات کا منہ توڑ جواب تو کتاب کا اصل حصہ ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اور متعدد آیات اور احادیث کسی قدر تشریح کے ساتھ نقل کر دی گئی ہیں جن کا تعلق ختم نبوت جیسے بنیادی مسئلہ سے ہے۔ مزید یہ کہ اجماع امت کی روشنی میں مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ علماء اور طلباء کے لیے یہ بڑی قیمتی دستاویز ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ارباب مدارس بالخصوص اس طرف توجہ دیں گے۔ اور زیادہ سے زیادہ کتاب خرید کر طلبہ کو بطور درس پڑھائیں گے۔ تاکہ وہ تعلیمی دور میں مرزائیت سے پوری طرح آگاہ ہو سکیں۔

سفید کاغذ، خوبصورت کتابت و طباعت، قیمت محض ۳/- روپے۔ جبکہ علماء اور طلبہ کے لیے مزید رعایت کا اعلان ہے۔ مرزائیت کے محاذ پر کام کرنے والے عالمی ادارہ "مجلس تحفظ ختم نبوت" نے کتاب کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے دفتر تغلق روڈ ملتان سے دستیاب ہے۔

قادیانیت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے نام و کام سے ایک دنیا آگاہ ہے۔ مختلف موضوعات پر آپ کی متعدد قیمتی تصانیف جو مختلف زبانوں میں ہیں پوری دنیا میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب بھی آپ کے موئے قلم کا نتیجہ ہے۔ جس کا پس منظر ایک مستقل داستان ہے، ۱۹۵۷ء کے اواخر اور ۱۹۵۸ء کی ابتدا میں لاہور میں ایک اسلامی کلوکیم منعقد ہوا تھا جس میں مشرق وسطیٰ کے متعدد ممالک سے ارباب علم و فضل لاہور تشریف لائے تھے۔ ان حضرات نے یہاں آکر "قادیانیت" سے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیں۔ تو اتفاق سے جدید تقاضوں کے مطابق عربی میں کوئی معقول چیز نہ مل سکی۔ اس خلاء کو جن حضرات نے

علیحدہ سے محسوس کیا۔ ان میں قطب زماں حضرت مولانا شاہ
عبدالقادر رائے پوری قدس اللہ سرہ العزیز بھی سرِ فہرست تھے
چونکہ مولانا علی میاں حضرت والا سے نسبت و تعلق رکھتے
تھے۔ اس لیے حضرت نے علی میاں صاحب سے عربی میں
ایک کتاب کی ضرورت پر زور دیا تاکہ دنیائے عرب کو
کادیانیت کی حقیقت سے آگاہ کیا جا سکے۔ علی میاں صاحب
نے اپنے شیخ و مربی کے حکم کو سعادت سمجھ کر پورا کیا۔
اور لاہور میں ایک ماہ تک قیام کرکے اور کادیانیت سے
متعلق لٹریچر کا بالاستیعاب مطالعہ کرکے "القادیانی والقادیانیۃ"
کے نام سے کتاب لکھ دی جو دنیائے عرب میں اس دجالی فتنہ
کے خلاف ایک موثر اور کامیاب ترین حربہ ثابت ہوئی۔ بعد میں
شیخ رائے پوری کے ارشاد پر مولانا نے خود ہی اردو ترجمہ کیا
لیکن اس طرح کہ دوبارہ سارا لٹریچر دیکھ کر عبارات کو نقل
کیا اور بقول مصنف اب اس کتاب کو اردو ترجمہ کہنے کے
بجائے مستقل تصنیف کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

علی میاں صاحب کا ذوق بنیادی طور پر تاریخی ہے
اس لیے انہوں نے اسی ذوق کے مطابق یہ کتاب بھی لکھی اور
اس میں اس دور کے پس منظر کو بالخصوص اجاگر کیا ہے جس
میں مرزا کے کادیان نے پَر پُرزے نکالے۔ پھر مرزا صاحب
کا خاندانی و ذاتی پس منظر ذکر کیا۔ ان کی تحریک کے سب
سے اہم فرد حکیم نورالدین کا حال و حلیہ بیان کیا۔ اور دوسرے
باب میں مرزا صاحب کے دعاوی کی ترتیب اور ان کی
دعوت کے تدریجی ارتقاء کو بڑی خوبی سے ذکر کیا ہے تاکہ
کتاب کا قاری ترتیب کے ساتھ معلوم کر سکے کہ مرزا
صاحب کہاں سے چلے اور کہاں پہنچے اور کیسے؟

تیسرے باب میں مصنف علّام نے مرزا صاحب کی
سیرت و زندگی کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ اور انگریزی
حکومت سے ان کی وفاداریوں سے لے کر ان کی
درشت کلامی اور دشنام طرازی وغیرہ کو بڑے سلیقے سے
بیان فرمایا ہے۔

چوتھا جو آخری باب ہے میں اس تحریک کا
تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اور بڑے مدلل طریق سے
ثابت کیا گیا ہے کہ کادیانیت ایک مستقل مذہب اور ایک
متوازی امت ہے۔ نبوت محمدی کے خلاف ایک بغاوت
ہے۔ اس باب میں کادیانیت کی لاہوری شاخ کی
حقیقت کو بھی بڑی خوبی سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور
بتلایا گیا ہے کہ کادیانیت کی یہ شاخ اپنے اندر زیغ و
ضلالت کی پوری روح لیے ہوئے ہے اور اس سے
کوئی نئی چیز نہیں۔

اس باب کی آخری فصل میں فاضل مصنف نے ان
نقصانات کا ذکر کیا ہے جو اس تحریک کی وجہ سے
عالم اسلام کو سہنا پڑے۔

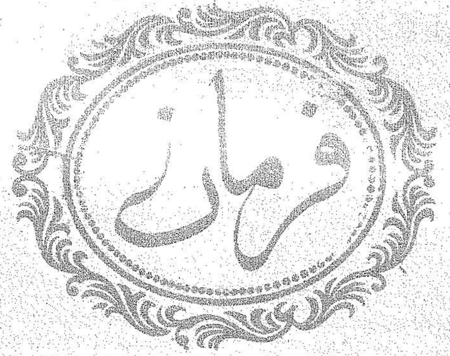
اس طرح گویا یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے
ایک مدلل و مفصل کتاب ہے۔

اس سے قبل ہند و پاک کے مختلف کتب خانوں اور
اداروں نے اس کتاب کو شائع کیا لیکن زیر تبصرہ ایڈیشن
جو مجلس نشریات اسلام ۱-کے-۳ ناظم آباد نمبر ۱ کراچی نمبر ۱۸
سے شائع ہوا ہے اپنی ظاہری خوبیوں کے اعتبار سے اپنی
مثال آپ ہے۔ صاف ستھری کتابت بہترین سفید کاغذ
مضبوط جلد اور حسین و خوبصورت کور۔ جبکہ قیمت محض
بارہ روپے ہے جو بالکل واجبی ہے۔

بقیہ : حجیۃ الحدیث

ایسے ہی ثمرۃ الفواد اس میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ اور آئندہ کو ہو
جا رہے ہیں۔ کرنے والوں کو کوئی نہیں ٹوکتا۔ ان کا ہاتھ کوئی
نہیں پکڑتا۔ پھر کہنے والے کی زبان کیونکر پکڑی جائے۔

سچ فرمایا سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ پرزے پرزے
ہوگا اسلام اس وقت جبکہ مسلمان ایام جاہلیت کو بھول جائیں گے
اسی ناواقفیت اور بھول کا نتیجہ ہے کہ ہم نے علم کو جہل اور جہل
کو علم، عیب کو ہنر اور ہنر کو عیب سمجھا۔ تمیز کا سلیقہ مفقود
ہوگیا۔ دماغ اور قلوب پر فالج پڑ گیا۔ فیا اسفی علی المسلمین
و دینہم وطریقہم۔ میں یہ نہیں کہتا کہ غیروں سے نہ لو جب کہ میرے
اور تمہارے پیارے نبی نے ایران کے جاہلوں سے خندق کو یا سیکھ لیا
ان کی سراویل کو پسند فرمایا۔ خندق کھودی اور ساتھیوں سے
کھدوائی لیکن یہ سب کیسی چیزیں ہیں؛ ہر علم کے لیے قطعی اور
غیر مشکوک بدیہات اس کتاب مبین کے اندر ہیں کہ جس کے بعد
کوئی کتاب آسمان والے نے زمین والوں تک نہیں پہنچائی۔ مسلم
وہی ہے اور بس۔ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون



حضرت محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت علی ابن ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جب میری اُمت میں پندرہ خصلتیں پیدا ہوں تو اس پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو جائینگی"۔ دریافت کیا گیا "یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟" فرمایا:-

- جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنا لیا جائے ــــــــ
- امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جائے ــــ
- زکوٰۃ جرمانہ محسوس ہونے لگے۔
- شوہر بیوی کا مطیع اور ماں کا نافرمان بن جائے ــــــــ
- آدمی دوستوں سے بھلائی کرے اور باپ پر ظلم ڈھائے ــــ ــــــ
- مساجد میں شور مچایا جائے۔
- قوم کا رذیل ترین آدمی اس کا لیڈر ہو۔
- آدمی کی عزت اس کی برائی کے ڈر سے ہونے لگے ــــــــ
- نشہ آور اشیاء کھلم کھلا استعمال کی جائیں ــــــــ
- مرد ابریشم پہنیں ــــــ
- آلاتِ موسیقی کو اختیار کیا جائے۔
- اور گانے والی لڑکیاں فراہم کی جائیں ــــــ اور ــــــ
- اس وقت کے لوگ اگلوں پر لعن طعن کرنے لگیں تو لوگوں کو چاہیئے کہ پھر وہ ہر وقت عذابِ الٰہی کے منتظر رہیں خواہ سرخ آندھی کی شکل میں آئے یا زلزلے کی شکل میں یا اصحابِ سبت کی طرح صورتیں مسخ ہونے کی شکل میں ــــــــ

غور کیجیے ہم کس دور میں ہیں؟

(ترمذی - باب علامات الساعۃ)

رجسٹرڈ ایل نمبر
۶۰۷۴

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

فون نمبر
۶۷۵۲۵

منظور شدہ ۱۔ لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۹۱۴۳۳۱ مورخہ [illegible] ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری C.B.T-۲۲۶-۱۸۲۲ مورخہ ستمبر ۱۹۵۶ء
محکمہ تعلیم ۲۔ کراچی ریجن بذریعہ چٹھی نمبری [illegible] ۵۵۸۹-۲۰۷۶ مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۶۳ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ چٹھی نمبری [illegible] ۵۳۱۰ مورخہ ۲۲ مارچ ۶۷ء

بقیہ: انتخاب لاجواب

قال بعد نقل هذا الكلام و عمر الله ما ندري اكان هذا القرآن ينزل على قلب مسيلمة ارحتى مسيلمة او كان من قوم جاهلين فتابعوه في سبيل لقائهم۔ (ص ۱۹۵)

۴۔ والمبذرات زرعا والحاصدات حصدا والطاحنات طحنا والعاجنات عجنا والخابزات خبزا والثاردات ثردا واللاقمات لقما۔

۵۔ الفيل وما الفيل وما ادراك ما الفيل له ذنب وبيل وخرطوم طويل۔

۶۔ يا ضفدع بنت ضفدعين۔ نقي ما تنقين نصفك في الماء ونصفك في الطين۔ لا الماء تكدرين۔ ولا الشارب تمنعين۔

وسجاح بنت الحارث بن سويد حين ارادت مسيلمة كذاب عليكم باليمامة۔ ودفوا دفيف الحمامة ۔۔ فانها غزوة صرامة۔ لا يلحقكم بعدها ملامة۔

بقیہ: دین کے لیے قربانی

میری کمر کی چربی اور خون سے وہ آگ بجھی۔ ان حالات کے باوجود جب اسلام کو ترقی ہوئی اور فتوحات کا دروازہ کھلا تو اس پر رو دیا کرتے کہ خدا نخواستہ ہماری تکالیف کا بدلہ کہیں دنیا ہی میں تو نہیں مل گیا۔

آیت کریمہ

۱۹ رمئی ۔ جمعرات ، بعد نماز مغرب

احباب یاد رکھیں —— دعوت عام ہے

توجہ فرمائیں

عظمت اسلام کے وارث، قافلہ سالار حریت حضرت الامام مولانا مفتی محمود صدر پاکستان قومی اتحاد جو ان دنوں ڈی پی آر کے تحت نظر بند ہیں۔ علالت کے سبب راولپنڈی کے ایک فوجی ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔

علالت کے باوصف ملک کو سنگین بحران سے نکالنے کے لئے وہ مسلسل جد و جہد میں مصروف ہیں۔ قارئین سے استدعا ہے کہ وہ حضرت مفتی صاحب سمیت تمام قائدین اور ملی ورکروں کی صحت و عافیت اور استقامت کے لیے صمیم قلب سے دعائیں جاری رکھیں۔ آیت کریمہ کا ورد، قنوت نازلہ اور صلاۃ الحاجت کا اہتمام کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری مشکلات دور فرمائے۔

علوی "مدیر"

مولانا عبید اللہ انور پبلشر نے پرنٹر خواجہ شوکت علی پریمیئر پرنٹرز میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔